ماہنامہ

مظاہر علوم

سہارنپور



دفتر ماہنامہ

مظاہر علوم

سہارن پور یوپی

اس شمارے میں

○ دائرہ کا سرخ نشان آپ کی مدت خریداری ختم ہونے کی علامت ہے، آئندہ کے لیے رقم ارسال فرمائیں۔

☆ شائع شدہ مضامین سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

☆ جواب طلب امور کے لیے لفافہ اور خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

☆ ماہنامہ، انگریزی ماہ کی ۲/ تاریخ کو حوالہ ڈاک کر دیا جاتا ہے۔ ۱۰/ تاریخ تک موصول نہ ہونے پر مطلع فرمائیں۔

نوائے سحر

تحفظِ ناموسِ رسالت

عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی

محسن انسانیت، نبی آخرالزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہر مسلمان کی نہ صرف عقیدت ومحبت کا محور ومرکز ہے بلکہ اس ذات بابرکت کی محبت ہی اس کے ایمان کی بنیاد ہے جس سے دشمنان اسلام بھی بخوبی واقف ہیں اور جانتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت سے مسلمانوں کا تعلق ایمان وعقیدہ کا تعلق ہے آنحضور کی عزت وعظمت پر ذرہ برابر آنچ آجائے اور مسلمان پرسکون رہیں ممکن نہیں۔

فرانسیسی ملک ہالینڈ کی اسلام مخالف جماعت فریڈم پارٹی کے سربراہ اور رکن پارلیمنٹ گیرٹ ولڈرز نے ۱۰ر نومبر ۲۰۱۸ء کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاکوں کے مقابلے کا اعلان کیا ہے اور اطلاعات کے مطابق یہ اعلان بھی کیا گیا ہے کہ گستاخانہ خاکوں کے اس مقابلے میں بذریعہ ای میل بھیجے جانے والے خاکے بھی شامل کیے جائیں گے اور یہ مقابلہ سوشل میڈیا پر براہ راست دکھایا جائے گا۔

گیرٹ ولڈرز وہ بدبخت ہے جس نے ۲۰۰۹ء میں توہین آمیز فلم ''فتنہ'' بنائی تھی، یہ وہی بدفطرت شخص ہے جس نے پارلیمنٹ میں قرآن مجید کی ترسیل روکنے کا بل پیش کیا بلکہ مسلمانوں سے نصف قرآن پاک تلف کردینے کا مطالبہ کرنے والا بھی یہی شخص تھا اور اسی نے ہالینڈ میں خواتین کے پردے پر پابندی کا بل بھی پیش کیا، خود ساختہ آزادی اظہار رائے کی آڑ میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے گستاخانہ خاکے دنیا کے امن وامان کو برباد کرنے کی ایسی بھونڈی اور ناپاک کوشش ہے جو ہر مذہب کے عقل مند لوگوں کے

نزدیک انتہائی قابل مذمت ہے۔

اس طرح سے مسلمانوں کی دل آزاری کا سلسلہ قائم ہے، اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ ہر صورت میں مسلمانوں کو ذہنی انتشار اور خوف میں مبتلا رکھا جائے تاکہ ان میں بیداری نہ پیدا ہو، یہ اپنے کو متحد نہ کرسکیں جس دن ان کو ذہنی سکون مل جائے گا اور یہ قوم ایمانی طور پر بیدار ہوجائے گی، تو پھر اسلام دشمنوں کی تمدنی، اقتصادی وعلمی بالادستی کا چراغ گل ہوجائے گا۔

شانِ رسالت میں استوہین آمیز اعلان کا جو دینی شرعی، فطری اور قانونی ردعمل ہونا چاہئے وہ سامنے آرہا ہے، مسلمان پوری دنیا میں سراپا احتجاج بنے ہوئے ہیں، شہر شہر، قصبہ قصبہ، گاؤں گاؤں، محلہ محلہ، گلی گلی مسلمان اپنے غم وغصہ کا اظہار کررہے ہیں۔

اس مذموم حرکت کا مقصد مسلمانوں کو ذہنی انتشار کا شکار بنانا ہے، اسلام دشمن عناصر کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ مسلمانوں کے سامنے ایسے مسائل کھڑے کئے جائیں جن سے وہ مشتعل ہوں اور پھر اپنے اساسی اور بنیادی مقاصد کو پس پشت ڈال دیں تاکہ یہ غیر مسلم عناصر اسلام دشمنی کے لیے اپنی راہیں اور ہموار کرسکیں۔

پورے دنیا میں مسلمان احتجاج کررہے ہیں، شیدائیان رسالت اپنی اپنی محبتوں کا اظہار کررہے ہیں، تحفظ ناموس رسالت کی سعی محمود کررہے ہیں، مسلمان ہر جگہ سراپا احتجاج بنے ہوئے ہیں، اور یہ ان کے دین اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت وشیفتگی کا تقاضا بھی ہے، لیکن اشتعال میں آنے کے بجائے خاموشی اور سنجیدگی سے پرامن طریقے پر اپنے غم وغصہ کا اظہار کرنا چاہئے، اور دینی اعمال میں پہلے سے بھی زیادہ رسوخ پیدا کرنا چاہئے تاکہ دشمنان اسلام اپنے منھ کی کھائیں۔

دراصل اسلام کو اس جہانِ رنگ وبو سے مٹا دینے کی کوشش کرنے والے شاید یہ نہیں جانتے کہ دنیا کا کوئی کمزور ترین ایمان رکھنے والا مسلمان ہزار ہا فروگزاشتوں اور

کوتاہیوں کے باوجود محسن انسانیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ادنیٰ سی بھی گستاخی پر دہاڑ اٹھتا ہے، اسلام کے خلاف الزام و دشنام اسے کسی بھی صورت کسی بھی لمحہ برداشت نہیں ہے۔

دشمنان اسلام کو شاید اس بات کی خبر نہیں ہے وہ جس ہستی کے خلاف غوغہ آرائی کرتے ہیں وہ تو پوری انسانیت کی محسنِ اعظم ہے، تمام نبیوں کا سالار ہے، جس نے جہالت، ظلم، شقی القلبی اور حیوانیت کی آماجگاہ بنی ہوئی کائنات میں آفتاب جہاں تاب بن کر دنیا کی تاریخ کا سب سے بڑا دل آفریں انقلاب برپا کیا، انسانیت کے اذہان وقلوب کے تاریک گوشوں کو منور کیا، احترام آدمیت کا فلسفہ دیا، شرف انسانیت کو عالم آشکارا کیا۔

اس موقع پر سب سے زیادہ حق ان لوگوں کا ہے جو انبیاء کے وراث ہیں، نبی کے علم، عمل، تزکیہ اور منبر کے وارث ہیں، علماء کرام کو چاہیئے کہ خطبات جمعہ اور دیگر مذہبی اجتماعات میں عوام کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیں اور قوت دلیل اور طاقت عشق سے اس فریضے کی ادائیگی ہوتی ہے، درس قرآن، درس حدیث، درس فقہ، عوامی اجتماعات، کانفرنسیں، سیمینارز، جلسے اور جلوسوں، ریلیوں اور دھرنوں، اخبارات اور دیگر پروگراموں میں علماء کرام اس معاملے کو ترجیحی بنیادوں پر اٹھائیں، پرامن طریقوں سے اسلامی تعلیمات کے عین مطابق ہر طبقے کو اس کا احساس دلائیں، کیونکہ دین کی بنیاد محبت رسول پر ہے اور یہ نہ رہے تو خالی نقوش کسی کام کے نہیں رہتے۔

اسی طرح اس موقع سے ہمیں بذات خود اپنے طرز عمل پر نظر ثانی کرنے کی ضرورت ہے، اس سلسلے میں ایک بات یہ ہے کہ ہم خود اور ہمارے بچے پیارے نبی کی سیرت سے کتنی واقفیت رکھتے ہیں؟ اس پر غور کریں، کیا یہ حادثہ نہیں ہے کہ ہم خود اور ہمارے بچے پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں وہ بنیادی معلومات بھی نہیں رکھتے جسے عام معلومات کہا جاتا

ہے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کا مقصد، آپ کی شخصیت کے حقیقی خدوخال، آپ کے امتیازات اور آپ کی تعلیمات سے شعوری وابستگی کا معاملہ بہت دور کی بات ہوجاتی ہے۔

جولوگ صبح وشام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے نام پر مظاہروں میں نظر آتے ہیں، اپنے ناپاک قدموں سے نبی کی پاک سنتوں کی ہر دن ہزار بار بےحرمتی کرتے ہیں، نماز جو توحید کا پہلا اور بنیادی جز ہے، اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جتنا کچھ پیار تھا سب کو خوب معلوم ہے، اگر نبی سے ہمارے تعلق کی صورت حال یہ ہے تو پھر جولوگ نبی پر ایمان نہیں رکھتے، آپ کا لایا ہوا کلمہ نہیں پڑھتے، آپ کی سیرت کا مطالعہ نہیں کرتے، انہیں اگر کچھ معلوم بھی ہے تو وہ متعصبین کی طرف سے پھیلائی ہوئی مکروہ باتیں ہیں، وہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام کیسے کرسکتے ہیں، ان سے تو اسی گندگی کی توقع رکھی جاسکتی ہے جو وہ پھیلا رہے ہیں۔

کتابیات کا ایک جائزہ لے لیجئے، غیر مسلمین اور خود مسلمانوں تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور نبی کے پیغام کو دل آویز اور معقول طریقے سے پیش کرنے والی کتابیں کم ہی ملیں گی، اگر ہیں بھی تو اس کی طرف کوئی توجہ اور دھیان نہیں، مطالعہ تو دور کی بات ہے۔

آج اس بات کو رواج دینا ایک مسلمان کی دینی وشرعی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک، آپ کے صحابہ کرام وازواجِ مطہرات وبنات اطہار کے سوانحی حالات اور ان کی لائق تقلید واتباع زندگی کو اپنی زندگیوں میں لائیں اور دنیا کو یہ باور کرائیں کہ ہم اس نبی برحق کی تعلیمات کے پیرو اور متبع ہیں جس کا لایا ہوا پیغام پوری انسانیت کی صلاح وفلاح کا ضامن ہے، سیرت النبی کو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہونچائیں، خود بھی عمل کریں، عمل کا ماحول پیدا کریں، پھر پوری انسانیت ان فطری تعلیمات کی گرویدہ ہوگی اور دشنام طرازی اور یاوہ گوئی کا یہ سلسلہ بند ہوتا چلا جائے گا، ان شاء اللہ۔

درسِ قرآن

خودفریبی کا وبال

مولانا محمد ساجد حسن سہارنپوری استاذ حدیث وتفسیر جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

إِنَّ قَارُونَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوسَى فَبَغَى عَلَيْهِمْ وَآتَيْنَاهُ مِنَ الْكُنُوزِ مَا إِنَّ مَفَاتِحَهُ لَتَنُوءُ بِالْعُصْبَةِ أُولِي الْقُوَّةِ إِذْ قَالَ لَهُ قَوْمُهُ لَا تَفْرَحْ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ۔ وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَأَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللّٰهُ إِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ (سورة القصص)

قارون قوم موسی سے تھا غریبوں پر ظلم کرنے لگا تھا اور ہم نے اسے اس قدر خزانے دے رکھے تھے کہ کئی کئی طاقتور لوگ بمشکل اس کی کنجیاں اٹھا سکتے تھے، ایک بار اس کی قوم نے اس سے کہا، اترا مت! اللہ تعالیٰ اترانے والوں سے محبت نہیں رکھتے، اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تجھے دے رکھا ہے اس میں سے آخرت کی بھی طلب رکھ، اور اپنے دنیاوی حصہ کو بھی نہ بھول، اور جیسے خدا نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے تو بھی احسان کر، اور ملک میں فساد کا خواہاں نہ بن، یقین مان کہ اللہ تعالیٰ مفسدوں کو پسند نہیں کرتا، قارون کہنے لگا کہ یہ سب کچھ میری اپنی عقل وسمجھ کی بنا پر ہی دیا گیا ہے، کیا اسے اب تک یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے بہت سی بستی والوں کو غرق کردیا ہے، جو اس سے بہت زیادہ قوت والے اور بہت بڑی جمع پونجی والے تھے، گنہ گاروں سے ان کے گناہوں کی باز پرس ایسے وقت نہیں کی جاتی۔

مندرجہ بالا آیات شریفہ میں تہذیبِ اخلاق کی خاطر قارون کے کچھ ناشائستہ اقوال وافعال بیان کئے گئے ہیں، قارون حضرت موسی علیہ السلام کا چچازاد بھائی تھا، بہت خوش

آواز بھی تھا، تورات بڑی خوش الحانی سے پڑھتا تھا اس لئے اسے لوگ منور کہتے تھے لیکن یہ منافق تھا، بہت مالدار بھی تھا۔ گھر کا صحن چاندی کا اور بنیاد و دیواریں سونے کی تھیں (كَانَت أَرضُ دَارِ قَارونَ من فضَّةٍ و أساسُها من ذهبٍ، أخرجه ابن مردویہ عن سلمان رضی اللہ عنہ، الدر المنثور) اس کے پاس اس قدر ساز و سامان تھا کہ اس کے مال وخزانے کی کنجیاں اٹھانے پر قوی مردوں کی ایک جماعت مقرر تھی، اس کے بہت سے خزانے تھے، ہر خزانہ کی کنجی الگ تھی جو بالشت بھر کی تھی، جب سفر میں جاتا تو یہ کنجیاں اس کی سواری کے ساتھ ساٹھ خچروں پر لادی جاتیں، اس مالداری پر اسے بہت غرہ تھا، اسی لئے خدا تعالیٰ کو بھول بیٹھا تھا، قوم میں عام طور پر جس لباس کا دستور تھا، اس نے اس سے بالشت بھر نیچا لباس بنوایا تھا، جس سے اس کا بڑا پن اور اس کی دولت ظاہر ہو، واعظینِ قوم نے کہا: ہم کھانے پینے سے تو منع نہیں کرتے، بلکہ اچھا کھا، اچھا پی، اچھا پہن، حلال چیزیں استعمال کر، جائز نعمتوں سے فائدہ اٹھا، (دنیوی چیزوں سے فائدہ اٹھانے کی تلقین اس لئے کی کیونکہ وہ ہمہ وقت ننانوے کے پھیر میں رہتا تھا، لَعَلَّهُ كَانَ مُستَغرِقَ الهَمِّ فِي طَلَبِ الدُّنيَا فَلِأَجلِ ذٰلِكَ مَا كَانَ يَتَفَرَّغُ لِلتَّنَعُّمِ وَ الِالتِذَاذِ)

اور جہاں اپنا خیال رکھے وہاں مسکینوں کا بھی خیال رکھ، جہاں میں نہ خود کو فراموش کر کہ دنیا میں تو رہے، مگر عمر عزیز کو غنیمت نہ سمجھے، اور فرصت کے لمحات کو ضائع کر دے، قال الزجاج: لَا تَنسَ أَنْ تَعمَلَ لِآخِرَتِك لِأَنَّ حَقِيقَةَ نَصِيبِ الْإِنسَانِ مِنَ الدُّنيَا الَّذِي يَعمَلُ بِهِ لِآخِرَتِهِ.، نہ خدا کے حق کو فراموش کر، تجھ پر تیرے نفس کا بھی حق ہے، تیرے مہمان کا بھی حق ہے، تیرے بال بچوں کا بھی حق ہے، مسکین وغریب کا بھی تیرے مال میں ساجھا ہے، ہر حقدار کا حق ادا کر اور جیسے خدا نے تیرے ساتھ سلوک کیا ہے کہ ہر طرح کی نعمتوں سے تجھ کو نوازا ہے تو بھی اوروں کے ساتھ سلوک واحسان کر، اور اپنے اس مفسدانہ

رویہ کو بدل، اللہ کی مخلوق کی ایذارسانی سے باز آ، اور گناہ نہ کر، گناہ کرنا سب سے بڑا فساد ہے اور فسادی آدمی اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔

علماء کی ان نصیحتوں کو سن کر قارون نے جواب دیا: کہ آپ اپنی نصیحتوں کو رہنے دیجئے، میں خوب جانتا ہوں کہ میں ایک عقلمند، زیرک و دانا شخص ہوں، مال و دولت کے یہ انبار میری ذاتی قابلیت کا نتیجہ ہے، میری اپنی عقل مندی اور خوش تدبیری کی وجہ سے اس نعمت کو میں نے حاصل کیا ہے، تو یہ تو اللہ کے ذمہ میں میرا حق تھا، خدا بھی جانتا ہے کہ اس نے مجھے جو دے رکھا ہے میں اسی کا مستحق ہوں ـــــــــ اس کا خیال یہ بھی تھا کہ ان اقوال وافعال کے ساتھ خدا مجھ سے خوش بھی ہے، دلیل یہ ہے کہ اگر خدا تعالیٰ مجھ سے خوش نہ ہوتا اور مجھے اچھا آدمی نہ جانتا تو مجھے اپنی یہ نعمت بھی نہ دیتا۔

اس جواب کے رد میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ خیال غلط ہے کہ میں جس سے خوش ہوتا ہوں اسے دولتمند کردیتا ہوں، نہیں اس سے پہلے اس سے زیادہ دولت مند اور آسودہ حال لوگوں کو میں نے تباہ کردیا ہے تو یہ سمجھ لینا کہ مالداری میری محبت کی نشانی ہے، یہ خیالِ محض ہے، جو میرا شکر ادا نہ کرے، کفر پر جمارہے اس کا انجام بد ہوتا ہے۔

پیغام:

گناہ ظاہری بھی ہوتے ہیں جو اعضاء و جوارح سے صادر ہوتے ہیں، الحمدللہ بہت سے باتوفیق حضرات ان سے بچنے کی کوشش بھی کرتے ہیں اور بچتے بھی ہیں، کچھ گناہ قلبی و اعتقادی ہوتے ہیں، عام طور پر ان کی قباحت ذہن میں نہیں ہوتی اس لئے ان سے بچنے کا زیادہ اہتمام بھی نہیں ہوتا، ان گناہوں میں سے ایک گناہ اپنی قابلیت پر غرہ، گھمنڈ اور اسی کو تمام نعمتوں کی بنیاد قرار دینا بھی ہے، چنانچہ آج بھی امت میں نہ معلوم کتنے قارون موجود ہیں جو بزعم خود یہ سمجھتے ہیں کہ جو کچھ مجھے ملا ہے وہ سب میری کدو کاوش، تگ ودو، دوڑ دھوپ، میری تدبیر یا کم از کم میری ذاتی قابلیت کا نتیجہ ہے اور ان نعمتوں کو اپنا حق سمجھتے ہیں۔

اس خیال و اعتقاد میں بندے کا سراسر نقصان ہے، اگر نعمتیں نہ ملیں تو رضا بقضاء کی نعمت سے محروم ہوجاتا ہے بلکہ الٹا خدا سے شکوہ شکایت کرتا ہے کہ مستحق تو میں تھا، آپ نے فلاں کو کیوں دے دی، اگر نعمتیں مل جائیں تو شکر کی نعمت سے محروم کہ میں تو اس کا مستحق تھا ہی، مجھے دے کر خدا نے کون سا بڑا احسان کر دیا (العیاذ باللہ)، اس میں خدا کی ناراضگی تو ہے ہی، مگر کبھی کبھی نقد سزا، دنیا میں بھی مل جاتی ہے، تفسیر ابن کثیر میں بیان کردہ درج ذیل واقعہ ہمارے لئے کسی سرمۂ بصیرت سے کم نہیں۔

واقعہ: نوفل بن ماحق کہتے ہیں کہ نجران کی مسجد میں میں نے ایک نوجوان کو دیکھا، گٹھا ہوا بدن، گورا چٹا رنگ، بھرپور جوانی، شباب کے نشے میں چور، وجیہ و شکیل، اپنے حسن و جمال پر خود ہی فریفتہ، اعجاب و غرور میں مبتلا، میں نگاہیں جما کر اس کے جمال و کمال کو دیکھنے لگا اس نے کہا کیا دیکھ رہے ہو؟ میں نے کہا کہ آپ کے حسن و جمال کا مشاہدہ کر رہا ہوں اور متعجب بھی ہوں، اس نے کہا: تو ہی کیا، میرے حسن و جمال پر تو اللہ تعالیٰ کو بھی تعجب ہے، (العیاذ باللہ)

نوفل کہتے ہیں کہ اس کلمہ کے کہتے ہی اس کا رنگ و روپ اُڑنے لگا، وہ گھٹنے لگا اور قد پست ہونے لگا، یہاں تک کہ اس کا قد ایک بالشت کے بقدر رہ گیا، جسے اس کا کوئی قریبی رشتہ دار آستین میں ڈال کر لے گیا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو عُجب و غرور اور استکبار و تعلّی سے محفوظ رکھے اور اس کی بخشی ہوئی نعمتوں پر شکر کی توفیق سے نوازے۔

طابع و ناشر و ایڈیٹر (مولانا) محمد سلمان (صاحب) ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور نے سہارنپور الیکٹرک پریس سہارنپور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور سے شائع کیا

انوارِ حدیث

گذشتہ سے پیوستہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چند اہم نصیحتیں

مولانا محمد خالد سعید مبارکپوری استاذ تخصص فی الحدیث مظاہر علوم سہارنپور

آٹھویں نصیحت

و أنَّ النَّصرَ مَعَ الصَّبرِ، وأنَّ الفرَجَ مَعَ الكَرْبِ، وأنَّ مَعَ العُسْرِ يُسراً (مسند أحمد ۱/۳۰۷)

اور جان لو کہ نصرت صبر کے ساتھ ہے، کشادگی رنج وغم کے ساتھ ہے اور تنگی کے ساتھ آسانی ہے۔

انسانی زندگی مختلف قسم کی معرکہ آرائیوں سے عبارت ہے، جس میں انسان کو ظاہری و باطنی، دینی و دنیوی مختلف قسم کے دشمنوں کا سامنا ہوتا ہے اور ان تمام معرکہ آرائیوں میں اللہ کی نصرت اور انسان کی کامیابی وغلبہ صبر کے ساتھ مربوط ہے، صبر مقصود کے حصول کا راستہ ہے اور ایسا کارگر ہتھیار ہے جس کے ذریعہ ظاہری و باطنی دشمنوں پر غلبہ پایا جاسکتا ہے، اللہ تعالیٰ کے اوامر پر عمل اور نواہی سے اجتناب نفس انسانی کے لیے ایک قسم کا بوجھ اور مشقت کی چیز ہے اس لیے انسان کو صبر ومجاہدے کی ضرورت پیش آتی ہے تا کہ نفس، ہوی (خواہش) اور شیطان کی صورت میں موجود اپنے حقیقی دشمن پر غلبہ پاسکے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: اِنَّ النَّفسَ لَأَمَّارَةٌ بالسُّوءِ (یوسف ۵۳) (بیشک نفس تو بری ہی بات بتلاتا ہے) "وَلَاتَتَّبِعِ الهَوَى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللهِ" (ص ۲٦) اور خواہش نفس پر نہ چلو کہ وہ تمہیں اللہ کے راستے سے گمراہ کردے) اِنَّ الشَّيطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا" (فاطر ٦) بیشک شیطان تمہارا دشمن ہے لہذا اس کو دشمن سمجھو۔

تو یہ ہیں انسان کے مخفی دشمن جو اس کے سامنے شہوتوں کی محبت کو مزین کرتے ہیں، اور طاعت سے اعراض اور معصیت کی طرف میلان کو اس کے سامنے سنوار کر پیش کرتے ہیں اور یہ

دشمن بغیر کسی سستی کے برابر اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں، اس لیے انسان کے لیے بھی محنت ومشقت اور مجاہدہ ضروری ہے تاکہ ان دشمنوں پر غلبہ پاسکے اور نفس کو طاعت کا خوگر اور خواہش کو شریعت کے تابع بنائے اور اس کے لیے صبر اور مجاہدے سے کام لینا ضروری ہے۔

اور بلاشبہ جس نے صبر کے ذریعہ اپنے نفس پر قابو پالیا اور طاعت کو بجالانے والا اور معصیتوں سے بچنے والا بن گیا تو اس نے اپنے باطنی دشمن نفس، ہویٰ اور شیطان پر غلبہ پالیا اور اس غلبہ کے نتیجے میں مومن کے سینے میں حق کی ایسی روشنی پیدا ہوتی ہے جس سے اس کا قلب منور ہوجاتا ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا "والصَّبْرُ ضِيَاءٌ" صبر روشنی ہے (مسلم ۱/۱۱۸)

جس طرح صبر کے ذریعہ باطنی دشمنوں پر غلبہ حاصل ہوتا ہے اسی طرح اس کے ذریعہ ظاہری دشمنوں پر بھی غلبہ اور کامیابی حاصل ہوتی ہے، چنانچہ انسان جس معاشرے میں رہتا ہے اس کے آس پاس مختلف مزاج واخلاق کے لوگ بھی ہوتے ہیں جن سے قسم قسم کی اذیتیں اور ناگوار باتیں بھی پیش آنا لابدی امر ہے، ایسی صورت میں انسان اگر تنگ دل ہوکر صبر کا دامن چھوڑ بیٹھتا ہے تو اس کی زندگی وبال بن جاتی ہے اور اگر وہ صبر وتحمل سے کام لیتا ہے اور عفو ودرگزر کرتا ہے تو خوشی، سعادت مندی اور کامیابی اس کے قدم بوس ہوتی ہے اور یہی حال میدان کارزار میں کفار سے مقابلے اور جہاد کے وقت میں بھی ہے کہ اگر مجاہدین صبر کے ساتھ دشمنوں کے سامنے ڈٹ جائیں اور دشمنوں سے زیادہ صبر وتحمل سے کام لیں تو یقیناً کامیابی ان کے قدم چومے گی۔

صبر کی اسی اہمیت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے جہاد کے ساتھ صبر کو بھی ذکر فرمایا ہے "ثُمَّ جٰهَدُوا وَصَبَرُوا" (پھر جہاد کیا اور صبر کیا) اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے دشمن پر غلبہ اور کامیابی کی شرط صبر کو قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: فَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِئَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ وَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ أَلْفٌ يَغْلِبُوا أَلْفَيْنِ بِإِذْنِ اللهِ وَاللهُ مَعَ الصَّابِرِينَ (الانفال ۶۶) اگر تم میں سو شخص ثابت قدم رہنے والے ہوں تو وہ دوسو پر غالب ہوں گے اور اگر تم میں ایک ہزار ہوں تو دو ہزار پر غالب ہوں گے اللہ کے حکم سے، اور اللہ ثابت قدم رہنے والوں کے ساتھ ہے۔

یعنی اگر مومنین صبر سے کام لیں تو کم ہونے کے باوجود اپنے سے تعداد میں زیادہ دشمنوں پر بھی غالب آجائیں گے۔

کفار کی تدبیر اور منصوبے کو ناکام بنانے کا گُر

اگر مسلمان صبر وضبط اور تقویٰ سے کام لیں تو کافروں کی سب تدبیریں بے اثر اور ان کے تمام منصوبے ناکام ہوجائیں گے، اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی چاہے جتنی بھی اسکیمیں بنالیں انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاسکیں گے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا یَضُرُّکُمْ کَیْدُھُمْ شَیْئًا اِنَّ اللّٰہَ بِمَا یَعْمَلُوْنَ مُحِیْطٌ** (آل عمران ۱۲۰) اور اگر تم صبر اور تقویٰ اختیار کئے رہو تو تم کو ان کی چالیں ذرا بھی نقصان نہ پہنچاسکیں گی، بیشک اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

اس آیت کریمہ میں اور اس کے علاوہ بعض دیگر آیات میں بھی مسلمانوں کی تمام پریشانیوں کا حل اور ان کی فتح ونصرت کو صبر وتقوی کے ساتھ وابستہ بتلایا گیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ صبر کا پھل اس دنیا میں رضا، اطمینان وسکون، عزت وسعادت، اللہ کی طرف سے تائید ونصرت اور دشمنوں پر غلبے کی صورت میں حاصل ہوتا ہے، اور اس کا اخروی ثمرہ اس سے بھی بڑھ کر ہے جو جنت کی بیش بہا نعمتوں اور بے حساب اجر وثواب کی صورت میں حاصل ہوگا ''**اِنَّمَا یُوَفَّی الصَّابِرُوْنَ اَجْرَھُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ**'' (الزمر ۱۰) صبر کرنے والوں ہی کو ان کا اجر بے شمار ملے گا۔

اللہ کی طرف سے بندے کو حاصل ہونے والا سب سے بہتر عطیہ صبر ہے جیسا کہ حدیث میں ہے: **وَمَا أُعْطِيَ أَحَدٌ عَطَاءً خَيرًا وَأوسَعَ مِنَ الصَّبْرِ** (البخاری ۱/۱۹۹، مسلم ۱/۷۳۳)۔

وأَنَّ الفَرَجَ مَعَ الكَرْبِ: (رنج وغم اور پریشانی کے ساتھ راحت ہے) یعنی انسان پر کبھی پے در پے آزمائشیں اور مصیبتیں آتی ہیں اور بسا اوقات وہ اتنی سخت ہوتی ہیں کہ لگتا ہے کہ رنج وغم انسان کی جان لے لیگا، یہ سب اللہ کی طرف سے امتحان ہوتا ہے، چنانچہ جب بندہ اس حال میں تنگ دل اور مایوس نہیں ہوتا بلکہ صبر واستقامت سے کام لیتا ہے اور ثواب کی

امید رکھتا ہے تو وہ اس امتحان میں کامیاب ہوجاتا ہے اور پھر اس پر اللہ کی عنایت ہوتی ہے، اس کے غم چھوٹ جاتے ہیں اور اس کو تنگی و پریشانی اور بے چینی سے نجات مل جاتی ہے اور اس وقت بندے کے سامنے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ یہ پریشانی اور بے چینی اس خیر ہی کے لیے تھی جس کا اس کے لیے ارادہ کیا گیا تھا، اور یہ سب کچھ صرف اس لئے ہے بندۂ صادق کا قلب ماسوا اللہ سے منقطع ہو کر تنہا اپنے مالک حقیقی کی طرف متوجہ ہوجائے جس کے بارے میں اس کا یقین ہے کہ سب کچھ اسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔

وأَنَّ مَعَ العُسْرِ يُسْراً: (اور تنگی کے ساتھ آسانی ہے) یعنی کوئی بھی تنگی و پریشانی انسان کے ساتھ ہمیشہ نہیں رہتی، اس لیے اللہ نے جو کچھ انسان کے لیے مقدر فرما رکھا ہے اس پر راضی رہنا چاہیے، اور اللہ کے احکام کا مکمل التزام کرنا چاہیے اور صرف اسی کی پناہ لینا چاہیے اور اللہ پر بھروسہ رکھے کہ وہ اس کی پریشانی و تنگی کو آسانی سے بدل دے گا۔

راحت کے پریشانی کے ساتھ اور آسانی کے تنگی کے ساتھ اتصال کا ایک راز یہ بھی ہے کہ بندے پر جب کوئی پریشانی اور تنگی آتی ہے اور وہ بڑھ کر اپنی انتہا کو پہنچ جاتی ہے تو بندہ تمام مخلوق سے مایوس اور ناامید ہو کر اپنے رب حقیقی کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اب اس کو صرف اللہ ہی سے امید ہوتی ہے کہ وہ اپنے فضل و کرم سے اس تنگی و پریشانی کو دور فرمائے گا اور یہی توکل کی حقیقت ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ فَهُوَ حَسْبُهُ“ اور جس نے اللہ پر توکل کیا تو اللہ اس کے لیے کافی ہے۔

خریدار حضرات سے!

آپ حضرات اپنے پتوں کی سلیپ کو بغور ملاحظہ فرمالیں، ختم مدت کی تصریح کردی گئی ہے۔ اگر مدت خریداری ختم ہوگئی ہے تو مبلغ / 150 دفتر ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور کے پتے پر ارسال فرمائیں تاکہ رسالہ آپ کی خدمت میں مستقل پہونچتا رہے۔

صحت مند زندگی کے لئے

مولانا محمد منصور احمد

گذشتہ دنوں اپنے ایک محسن بزرگ کی عیادت کے سلسلے میں پاکستان کے ایک مشہور ہسپتال جانا ہوا، ہسپتال کے صدر دروازے کے باہر لگے ہوئے ایک بڑے بورڈ پر نظر پڑی تو اٹھتے ہوئے قدم رک گئے اور میں خوشگوار حیرت سے اُسے پڑھنے لگا، وہ بورڈ ہسپتال کی انتظامیہ کی طرف سے لگایا گیا تھا اور اس پر صحت مند زندگی کے راز لکھے ہوئے تھے۔

پہلے نمبر پر انہوں نے ''نمازوں کی پابندی'' کو رکھا، جو اسلام قبول کر لینے کے بعد ہر مسلمان کے ذمے سب سے پہلا فرض ہے، ایک ایمان والا، نماز اس لیے نہیں پڑھتا کہ اُس کی صحت اچھی رہے بلکہ وہ تو اپنے خالق و مالک کے سامنے اپنے عجز و نیاز کی پونجی پیش کرتا ہے اور رب العالمین کے سامنے اُس کی کبریائی اور اپنی عاجزی کا اظہار کرتا ہے لیکن اللہ کی شان دیکھیں کہ آج ماہر ڈاکٹرز بھی یہ اقرار کرنے پر مجبور ہیں کہ انسان کے ظاہر و باطن اور قلب وقالب کی صحت کیلئے اس سے بڑھ کر کوئی اور عمل نہیں ہوسکتا۔

دوسرے نمبر پر انہوں نے ''سادہ طرزِ زندگی'' کو رکھا جو اسلامی تعلیمات کا ایک اہم حصہ ہے، سیرت طیبہ کی کتابیں اس کی مثالوں سے لبریز ہیں، مستدرکِ حاکم میں ہے کہ ایک مرتبہ رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے ہاں آئے، آپ کو بھوک لگی تھی۔ پوچھا:

''ہمارے کھانے کیلئے کچھ ہے؟'' حضرت ام ہانیؓ نے عرض کیا: ''روٹی کے چند سوکھے ٹکڑے ہیں، آپ کو پیش کرتے ہوئے حیا آتی ہے'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری بشاشت سے فرمایا: ''وہ ہی لے آئیں!'' حضرت ام ہانیؓ روٹی کے وہ سوکھے ٹکڑے لے

آئیں، اُنہیں پانی میں بھگویا اور اوپر نمک چھڑک کر آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا، آپ کھانے لگے اور پوچھا: ''کوئی سالن ہے؟'' انہوں نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! تھوڑا سا سرکہ ہے''، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے بھی لانے کا کہا اور پھر آپ نے اُسے بھی روٹی کے ٹکڑوں پر انڈیل لیا، کھانا کھانے کے بعد ''الحمدللہ'' پڑھا اور ارشاد فرمایا: ''سرکہ تو اچھا سالن ہے''

آج کے دور میں جب مادی ترقی کی چکا چوند نے ہر آنکھ کو خیرہ کر رکھا ہے اور امیر تو کیا غریب بھی سادگی کو اپنے لیے باعث شرمساری سمجھتا ہے، ایسے حالات میں بھلا ہم اُن مسلمان حکمرانوں کی سادہ طرزِ زندگی کا اندازہ کیسے کر سکتے ہیں، جنہوں نے اپنے فضل و کمال اور عدل و انصاف کے انمٹ نقوش رہتی دنیا پر چھوڑے۔

عمیر بن سعدؓ انصاری ملک شام میں بازنطینی حکومت کے ساتھ قریباً سب لڑائیوں میں شریک رہے، سیدنا عمرؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں انہیں حمص کا گورنر مقرر فرمایا، آپ اس قدر عابد وزاہد تھے کہ ان کی عبادت وریاضت اور ان کا زہد وتقویٰ حدِّ کرامت کو پہنچا ہوا تھا۔

کنز العمال وغیرہ میں ہے کہ جن دنوں یہ حمص کے گورنر تھے، ان کے پاس امیر المومنین سیدنا عمرؓ کا ایک خط پہنچا جس میں لکھا تھا: ''اے عمیر! ہم نے تم کو ایک اہم عہدہ سپرد کر کے حمص بھیجا تھا مگر کچھ پتہ نہیں کہ تم اپنا یہ عہدہ خوش اسلوبی سے چلا رہے ہو کہ نہیں؟ لہٰذا جس وقت میرا یہ خط تمہارے پاس پہنچے، فوراً جس قدر مال غنیمت تمہارے بیت المال میں جمع ہے، سب کو اونٹوں پر لدوا کر اپنے ساتھ لے کر مدینہ طیبہ میرے سامنے حاضر ہو''

دربار خلافت کا یہ فرمان پڑھ کر اسی وقت کھڑے ہو گئے اور اپنی لاٹھی میں اپنی چھوٹی سی پانی کی مشک اور خوراک کی تھیلی اور ایک بڑا سا پیالہ لٹکا کر لاٹھی کندھے پر رکھی اور ملک شام سے پیدل مدینہ طیبہ کے لیے روانہ ہو گئے، جب دربار خلافت میں پہنچے تو امیر المومنین ان کی خستہ حالی دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گئے۔ فرمایا... ''کیوں اے عمیر! تمہارا حال اتنا

خراب کیوں ہے؟ کیا تم بیمار ہو گئے تھے؟ یا تمہارا شہر بدترین شہر ہے؟ یا تم نے مجھے دھوکہ دینے کے لیے یہ ڈھونگ رچایا ہے؟

امیر المومنین کے ان سوالوں کو سن کر سیدنا عمیرؓ نے نہایت متانت اور سنجیدگی سے جواب دیا: ''امیر المومنین! کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو مسلمانوں کے پوشیدہ حالات کی جاسوسی سے منع نہیں فرمایا؟ آپ نے یہ کیوں فرمایا کہ میرا حال خراب ہے؟ کیا آپ دیکھ نہیں رہے کہ میں بالکل تندرست وتوانا ہوں اور اپنی پوری دنیا کو اپنے کندھے پر اٹھائے ہوئے آپ کے سامنے حاضر ہوں''۔ امیر المومنین نے فرمایا: ''عمیر! تم دنیا کا کون سا سامان لے کر آئے ہو؟ میں تو تمہارے ساتھ کچھ بھی نہیں دیکھ رہا۔'' سیدنا عمیرؓ نے عرض کیا: ''امیر المومنین! دیکھئے، یہ میری خوراک کی تھیلی ہے... یہ میری مشک ہے جس سے میں وضو کرتا ہوں اور اسی میں اپنے پینے کا پانی رکھتا ہوں۔ اور یہ میرا پیالہ ہے اور یہ میری لاٹھی ہے جس سے میں اپنے دشمنوں سے بوقت ضرورت جنگ بھی کرتا ہوں اور سانپ وغیرہ زہریلے جانوروں کو بھی مارتا ہوں، یہ سارا سامان میری دنیا نہیں تو اور کیا ہے؟'' یہ سن کر امیر المومنین نے فرمایا: ''عمیر! اللہ تعالیٰ تم پر اپنی رحمت نازل فرمائے، تم تو عجیب آدمی ہو۔'' پھر امیر المومنین نے ان سے رعایا کا حال دریافت کیا اور مسلمانوں کی دینی زندگی اور ذمیوں (وہ کافر جو اسلامی ملک کے باقاعدہ شہری ہوں) کے بارے میں پوچھا، انہوں نے جواب دیا: ''الحمد للہ! میری حکومت کا ہر مسلمان ارکان اسلام کا پورا پورا پابند اور اسلامی رنگ میں رنگا ہوا ہے اور میں ذمیوں سے جزیہ لے کر ان کی پوری پوری حفاظت کرتا ہوں اور میں اپنے عہدہ کی ذمہ داریوں کو نباہنے کی بھرپور کوشش کرتا رہا ہوں۔ پھر امیر المومنین نے خزانہ کے بارے میں پوچھا کہ وہ کیوں نہیں لائے، میں نے تو تمہیں اس کے لانے کے لیے بھی کہا تھا، اس صحابیٔ رسول نے جو جواب دیا وہ سننے کے قابل ہے عرض کیا: ''امیر المومنین! خزانہ کیسا؟ میں ہمیشہ مالدار مسلمانوں سے زکوۃ وصدقات وصول کر کے فقراء اور مساکین میں تقسیم کر دیا کرتا ہوں اگر میرے پاس فاضل مال بچتا تو میں ضرور اس کو آپ کے پاس بھیج دیتا''۔

کیسا ذمہ دارانہ جواب دیا سیدنا عمیرؓ نے، یہ نہیں کہا کہ میں زکوۃ وصدقات اور ملکی ٹیکسوں کو ہارس ٹریڈنگ یا غیر ملکی دوروں یا اپنی پارٹی اور جیالوں کی فلاح وبہبود کے لیے یا اگلے الیکشن کی تیاری کے لیے یا پھر اپنے میک اپ یا عیاشی پر خرچ کرتا ہوں بلکہ یہ جواب دیا کہ فقراء اور مساکین کی فلاح وبہبود پر خرچ کرتا ہوں، ان کی محتاجی کو دور کرنے پر خرچ کرتا ہوں۔

پھر امیر المومنینؓ نے پوچھا: ''عمیر! تم حمص (شام) سے مدینہ طیبہ تک پیدل سفر کر کے آئے ہو کیا تمہارے پاس سواری نہیں تھی؟ اور اگر سواری نہیں تھی تو کیا تمہاری سلطنت کی حدود میں مسلمانوں اور ذمیوں میں کوئی آدمی بھی ایسا نہیں تھا جو تمہیں سواری کا ایک جانور دے دیتا؟''

عرض کیا: ''امیر المومنین! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ میری امت میں کچھ ایسے حاکم ہوں گے کہ اگر رعایا خاموش رہے گی تو یہ حکام انہیں برباد کر دیں گے اور اگر رعایا فریاد کرے گی تو یہ حکام ان کی گردنیں اڑا دیں گے، اور میں نے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی سنا ہے کہ تم لوگ اچھی باتوں کا حکم دیتے رہو اور بری باتوں سے منع کرتے رہو، ورنہ اللہ تعالیٰ تم پر ایسے لوگوں کو مسلط فرما دے گا جو بدترین انسان ہوں گے، اس وقت نیکوں کی دعائیں بھی قبول نہ ہوں گی، اے امیر المومنین! میں ان برے حاکموں میں سے ہونا پسند نہیں کرتا، اس لیے مجھے پیدل چلنا گوارا ہے لیکن اپنی رعایا سے کچھ طلب کرنا یا ان کے عطیوں کو قبول کرنا ہرگز پسند نہیں ہے''۔

صحت مندانہ طرزِ زندگی اپنانے کا ایک راز اپنی استطاعت کی حد تک صدقہ وخیرات کرنا بھی ہے، آج کل تو نت نئی قسم کی بیماریاں سامنے آرہی ہیں، ان بیماریوں کے علاج میں لوگوں کے ہزاروں لاکھوں روپے صرف ہوتے ہیں بلکہ آج کل علاج سے زیادہ روپے تو ٹیسٹوں پر خرچ ہوتے ہیں لیکن پھر بھی پوری طرح شفاء نہیں ہوتی جس کی ایک وجہ برے اعمال کو نہ چھوڑنا بھی ہے، بلکہ موجودہ زمانہ میں تو ہر طرف بداعمالی کی زیادتی ہورہی ہے۔

دوسری وجہ لوگ وہ اسباب اختیار نہیں کرتے جن سے شفا حاصل ہوتی ہے، اگر

لوگ اعمالِ بد کو ترک کر دیں اور ان اسباب کو اختیار کر لیں جن سے شفا حاصل ہوتی ہے تو اکثر بیماریاں ختم ہو جائیں، جن معاشروں میں گناہ کم ہیں وہاں آج بھی بیماریاں کم ہیں۔

احادیث نبویہ میں ہے کہ بیماریوں کے دفعیہ میں جہاں ترک معاصی اور علاج معالجہ اور دوا دارو کو دخل ہے وہیں صدقات کا بھی بڑا دخل ہے، صدقہ کرنے سے بڑی بڑی تکالیف اور بیماریاں ختم ہوتی ہیں، بلکہ بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ کے بارے میں کتابوں میں آتا ہے کہ آپ جب کبھی بیمار ہوتے تو طبیب کو بلا کر پوچھتے کہ میرے علاج پر کتنی رقم خرچ ہوگی؟ تو وہ ایک تخمینہ بتاتا، آپ اس اندازہ سے کچھ بڑھ کر صدقہ کر دیتے اور حق تعالیٰ شانہ انہیں شفا عطا فرما دیتے، کیوں اصل شافی الامراض تو حق تعالیٰ شانہ کی ذات ہے، دوائیں تو اس کا صرف ایک سبب ہیں، اگر دوائیں سبب بن سکتی ہیں تو صدقات بھی سبب بن سکتے ہیں، لہٰذا اس بارے میں کسی غلط فہمی کا شکار نہیں ہونا چاہیے، پھر حدیث میں بھی تو آتا ہے کہ صدقہ بذات خود بیماریوں کے دفعیہ کا سبب ہے، چنانچہ سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

حصنوا اموالکم بالزکوٰۃ، داوُوا امرضاکم بالصدقۃ واعدوا للبلاء الدعاء (مجمع الزوائد: ۳/۶۳) اپنے مالوں کی حفاظت زکوٰۃ سے کرو، اور اپنے مریضوں کا علاج صدقات و خیرات کے ذریعہ کرو اور بلاؤں کے دفعیہ کے لیے دعا کو استعمال کرو"۔

اسلام کی تمام تعلیمات، خواہ عقائد کے متعلق ہوں یا عبادات و معاشرت اور معاملات واخلاق کے بارے میں، سب ہی انسانیت کیلئے بہت بڑی نعمت ہیں، اگر انسان کو آج یہ بات سمجھ میں نہ آئی تو کل سمجھ آہی جائے گی لیکن خوش قسمت شخص وہ ہے جو ان احکامات کو اللہ تعالیٰ اور اُس کے سچے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کہنے پر مان لے اور ان کی تصدیق کیلئے کم علم اور کم فہم انسانوں کی باتوں کا انتظار نہ کرے۔

جہیز کے چور دروازے

محمد طارق اعظم قاسمی

گھبرائیں نہیں مقصد تحریر یہ نہیں ہے کہ میں جہیز کی لغوی اور فنی تحقیق پیش کروں۔ اصل میں اس جہیز کی وسعت اور ہمہ گیریت کو دکھلانا چاہتا ہوں جسے میں نے جہیز کے چور دروازے سے تعبیر کیا ہے، ذیل کے چند چور دروازے ملاحظہ کریں:

۱ــ ہمیں تو کچھ نہیں چاہیے ویسے آپ اپنی بیٹی اور صاحبزادی کو خوشی سے جو دینا چاہیں ہمیں اس سے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔

۲ــ آپ اپنی بیٹی اور صاحبزادی کو کیا دے رہے ہیں؟

۳ــ مطالبہ کچھ تو نہیں ہے؛ مگر گھر میں ریفریجریٹر اور واشنگ مشین وغیرہ کی ضرورت ہے۔

۴ــ گھر میں تو سبھی کچھ موجود ہے؛ مگر یہ بیٹے کا روزانہ بازار مارکیٹ وغیرہ آنا جانا لگا رہتا ہے۔ بین السطور سے سمجھ ہی گئے ہوں گے مقصد کیا ہے؟

یہ مشتے نمونہ از خروارے چند چور دروازے ہیں، اس کے علاوہ اور بھی چور دروازے ہیں جو چور حضرات معاف کیجیے گا شریف حضرات ایسے موقعوں پر اپنی شرافت کا اعلیٰ مظاہرہ کرتے ہوئے ان چور دروازوں کا استعمال کرتے ہیں۔

خوشی سے دینے کی بات زیادہ کی جاتی ہے اس میں شرفاء کچھ حرج نہیں سمجھتے ہیں؛ بلکہ اسے محمود خیال کرتے ہیں، آئیے اس کا ذرا دقت نظر سے جائزہ لیتے ہیں۔

لڑکیوں کے والدین جہیز یا تو سماج اور معاشرے کے دباو میں دیتے ہیں، یا دفعِ ظلم کے طور پر دیتے ہیں کہ ان کی لاڈلی کو ان کے سسرال میں ظلم وستم کا تختۂ مشق نہ بنایا

جائے یا پھر اپنی نام ونمود کے لیے دیتے ہیں، بیٹی کی محبت ان تینوں کے ذیل میں آجاتی ہو تو خیر ہے ورنہ اس کا وجود شاذ ہی ہے، اگر شرفاء کے اس دعوے کو تسلیم بھی کرلیا جائے کہ وہ برضا ورغبت اس مقدس جہیز کو دے رہے ہیں تب بھی یہ دینا ناپسندیدہ ہے، اتنی بڑی بات میں بڑی ذمہ داری سے کہہ رہا ہوں، اس کی دو بڑی وجہیں ہیں۔

پہلی وجہ: فقہ کا ایک مشہور قاعدہ ہے ''المعروف کالمشروط'' اس کا مطلب یہ ہے کہ جو چیزیں معاشرے میں چل پڑتی ہیں یا عام اور معروف ہوجاتی ہیں تو اب ایسی چیزیں شرط کی مانند ہوجاتی ہیں خواہ صاحب معاملہ نے اس کا ذکر کیا ہو یا نہ کیا ہو۔

اس اصول کی روشنی میں خوشی سے جہیز دینے کو دیکھیں کہ اس جہیز کے لین دین کا رواج اس قدر بڑھ چکا ہے کہ بغیر اس کے نکاح اور شادی جیسے مقدس فریضے کا تصور ہی نہیں کہ ادھر بیٹی کے نکاح کا خیال آیا اور اسی دم چشم تصور میں جہیز نے آ کر غریب والدین کا منہ چڑایا۔

جہیز کے اس برے چلن کی انتہا یہ ہے کہ اگر لڑکے والے منع بھی کریں تو یہ لڑکی والے اپنی نیک نیتی کے ساتھ اس منع کو خواہ حقیقی ہی کیوں نہ ہو مجاز پر محمول کرتے ہوئے رسمی سمجھ کر سنی اَن سنی کر دیتے ہیں اور بیٹی کے باپ ہونے کا حق پورا نبھاتے ہیں، گویا لڑکے کی جانب سے مطالبہ ہو یا نہ ہو یہ جہیز ملنا ہی ہے، اور لڑکے والے خواہ انھوں نے زبان سے کچھ نہ کہا ہو، مگر دل سے اس کے متمنی اور منتظر رہتے ہیں، الا ماشاء اللہ۔

خدارا خود فیصلہ کریں اور اپنے ضمیر اور دل کے مفتی سے فتوی لیں کہ کیا جہیز کی مروجہ شکل لائقِ اختیار ہے؟ اکثر لڑکے اور لڑکیاں ایسے ہیں جن پر نکاح فرض یا واجب ہے؛ مگر سماج کے ظالمانہ رسوم ورواج اور جہیز کے انھیں چور دروازوں کی وجہ سے یہ نکاح کر نہیں پا رہے ہیں یا ان کا نکاح ہو نہیں پا رہا ہے، اور نئی نسل کی ایک بڑی تعداد اسی وجہ سے سنگین گناہوں میں مبتلا ہو رہی ہے، گویا کہ جہیز کے یہ چور دروازے اور ظالمانہ رسمیں نکاح جیسے مقدس فرض کی ادائیگی میں رکاوٹ بن رہے ہیں، تو کیا دفع ظلم اور دفع گناہ کے لیے اس رکاوٹ کا دور کرنا ضروری نہیں ہے؟

اسلام کی ایک امتیازی خوبی یہ بھی ہے کہ گناہوں اور جرائم پر پابندی لگانے کے ساتھ ساتھ ان ذرائع اور راستوں پر بھی پابندی لگاتا ہے جو ان گناہوں اور جرائم تک پہنچانے والی ہوتی ہیں۔

نظر بد پر اسلام نے پابندی اسی لیے لگائی کہ یہ زنا کے لیے آلہ کار ہے، کیا اب یہ ضروری نہیں ہے کہ جہیز کے ان چور دروازوں کا بالکلیہ سدباب کیا جائے، اور اس کے ہولناک شر سے انسانیت کو بچایا جائے۔

بعض دریدہ دہن اپنے اس عمل بد کے جواز میں جہیز فاطمی کو پیش کرتے ہیں، گویا بے خبری میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن عدالت کو داغدار کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اس طور پر کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ قدر ضرورت سامان صرف حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ہی نکاح کے موقع پر عطا فرمایا تھا، اس کے علاوہ کسی اور بیٹی کو ان کے نکاح کے موقع پر کچھ دینا ثابت نہیں ہے۔

بہ قدر ضرورت ان سامانوں کے لیے مروجہ لفظ جہیز کا استعمال بھی ذوق پر گراں گذرتا ہے، اس لیے کہ بہ قدر ضرورت ان سامانوں اور مروجہ جہیز کے چور دروازوں میں دور کی بھی نسبت نہیں ہے، نسبت کیوں نہیں ہے؟ اس کی وضاحت کے پیش نظر جہیز فاطمی کی مختصر تحقیق پیش کر دوں؛ تاکہ بات پوری طرح سے واضح ہو جائے اور کسی قسم کا ابہام باقی نہ رہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہی زیر تربیت اور زیر پرورش تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نا ہی اپنا کوئی ذاتی مکان رکھتے تھے اور نا ہی دیگر ضروریات زندگی کے اسباب آپ کو اس وقت میسر تھے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بحیثیت مربی اور سرپرست کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو زرہ فروخت کرنے کا حکم دیا اور اسی زرہ کی قیمت سے آپ نے ضرورت کی چیزیں تیار کروائیں اور بقیہ رقم کو مہر ٹھہرایا۔

جہیز فاطمی کی حدیث کی شرح کرتے ہوئے اور اس کی تحقیق کرتے ہوئے حضرت مولانا

منظور نعمانی صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''ہمارے ملک کے اکثر اہل علم اس حدیث کا مطلب یہی سمجھتے اور بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ چیزیں (چادر، مشکیزہ، تکیہ) اپنی صاحبزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے موقع پر ''جہیز'' کے طور پر دی تھیں لیکن تحقیقی بات یہ ہے کہ اس زمانہ میں عرب میں نکاح شادی کے موقع پر لڑکی کو جہیز کے طور پر کچھ سامان دینے کا رواج؛ بلکہ تصور بھی نہیں تھا اور جہیز کا لفظ بھی استعمال نہیں ہوتا تھا، اس زمانہ کی شادیوں کے سلسلے میں کہیں اس کا ذکر نہیں آتا، سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری صاحبزادیوں کے نکاح کے سلسلے میں بھی کہیں کسی قسم کے جہیز کا ذکر نہیں آیا، حدیث کے لفظ ''جھز'' کے معنی اصطلاحی جہیز دینے کے نہیں؛ بلکہ ضرورت کا انتظام اور بندوبست کرنے کے ہیں، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چیزوں کا انتظام حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سرپرست ہونے کی حیثیت سے انھیں کی طرف سے اور انھیں کے پیسوں سے کیا تھا؛ کیونکہ یہ ضروری چیزیں ان کے گھر میں نہیں تھیں، روایات سے اس کی پوری تفصیل معلوم ہوجاتی ہے، بہرحال یہ اصطلاحی جہیز نہیں تھا''۔ (معارف الحدیث جلد ہفتم)

مزید تحقیق مفتی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین مفتاحی رحمہ اللہ کے الفاظ میں ملاحظہ کریں، تحریر فرماتے ہیں: کہ ''حضرت فاطمہ کی شادی کے سلسلہ کی تمام روایتوں کو سامنے رکھنے کے بعد نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ حضرت علی نے اپنی زرہ مہر میں دیدی تھی گھر میں کوئی سامان نہیں تھا خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے وہ سامان نہیں کرسکتے تھے؛ اس لیے آپ نے حضرت علی سے فرمایا کہ مہر والی زرہ فروخت کردو اور اس سے جو رقم آئے اس سے ضروری سامان خرید لو خود حضرت علی کا بیان ہے۔''میں نے اس زرہ کو عثمان بن عفان کو چارسو اسی درہم میں فروخت کردیا؛ مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے زرہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو واپس کردی، حضرت علی رضی اللہ عنہ زرہ اور درہم لے کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے دعا کی۔'' (فتاوی دارالعلوم دیوبند)

بنظر انصاف اس کا جائزہ لیں اور خود فیصلہ کریں کہ مروجہ جہیز اور حضرت فاطمہ حضرت علی رضی اللہ عنہما کو بہ قدر ضرورت دیئے گئے سامان میں کوئی نسبت اور تعلق ہے؟ یہاں محض خواہش نفس کی تکمیل مقصود ہے اور وہاں صرف ضرورت کی تکمیل مقصود تھی، چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک۔

اس پوری تفصیل سے یقیناً یہ واضح ہو گیا ہوگا کہ مروجہ جہیز اور جہیز کے چور دروازوں کی شرعاً اور اخلاقاً کسی بھی اعتبار سے گنجائش نہیں ہے۔

چند گذارشات: شاہین صفت نوجوانوں سے عاجزانہ درخواست ہے کہ کچھ نا لینے کے شرط پر انتہائی سادگی کے ساتھ نکاح کریں۔

نکاح کے لیے کسی دور بستی یا شہر میں جانا ہو تو صرف چار پانچ افراد کے ساتھ ہی جائیں، فلاں فلاں رشتہ دار کے چکر میں پڑ کر خود پر اور مظلوم معاشرے پر مزید ظلم نہ ڈھائیں۔

اپنے بھائیوں اور اپنے ماتحتوں کا بھی اسی طرح سادگی کے ساتھ نکاح کریں۔

لڑکیوں کے سلسلے میں لوگ خود کو زیادہ کمزور اور دباو میں محسوس کرتے ہیں، اس لیے لڑکے والوں کے ہر ناجائز مطالبے کو سر جھکا کر تسلیم کر لیتے ہیں، خدارا اس بے بسی اور کمزوری سے باہر نکلیں، خدا کی ذات پر اعتماد کرتے ہوئے پوری قوت اور ہمت کے ساتھ ان کے ہر ناجائز مطالبے کو ٹھکرا دیں، اللہ تعالیٰ آپ کو، آپ کی کوششوں کو ضائع نہیں کرے گا اور یقینا اس سے بہتر نوازے گا ان شاء اللہ، بس یقینِ محکم اور عملِ پیہم شرط ہے۔

شادی سے پہلے منگنی وغیرہ کی دس قسم کی رسمیں اور شادی کے بعد منہ دکھلائی وغیرہ کی بیس قسم کی رسمیں سب کا مکمل بائیکاٹ کریں، یہ رسمیں بھی ہلاکت اور تباہی کے اعتبار سے جرم اور گناہ میں جہیز سے کم نہیں ہیں۔

چٹ منگنی پٹ بیاہ کو فروغ دیں، اگر یہ نہ ہو تو کم از کم اتنا تو ہو ہی کہ ہماری شادی میں نکاح کے بعد صرف ولیمہ ہو اور کوئی بھی رسم نہ ہو۔

اگر ہم ایسا کوئی اجتماعی نظام بنا سکتے ہیں تو ضرور بنائیں کہ جس سے اس طرح کی غیر شرعی اور غیر اخلاقی شادی کی حوصلہ شکنی ہو، جیسے اجتماعی طور پر ایسی شادیوں کا بائیکاٹ کیا جائے، اجتماعی اگر نا ہو تو انفرادی طور پر ایسی پہل ضرور ہونی چاہیے گو کہ ہمیں یہ نا گوار اور سخت معلوم ہو۔

اگر آپ اس برائی کو ختم کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں تو یہ سخت قدم اٹھائے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔

جہیز لین دین اور شادی سے پہلے اور بعد کی ناجائز اور ظالمانہ رسوم کے تعلق سے ہم اپنے گھر کی عورتوں کی ضرور ذہن سازی کریں اور اصلاح کریں، یہ بہت ضروری ہے اس لیے کہ اس معاملے میں زیادہ تر عورتیں ہی ملوث رہتی ہیں، اور بہت ہی افسوس کے ساتھ یہ لکھنا پڑ رہا ہے کہ اس معاملے میں صنف نازک پر ظلم ڈھانے میں صنف نازک ہی پیش پیش ہے۔

ہم میں سے ہر ایک اس کا خواہش مند ہوتا ہے کہ ہمارے نکاح میں خوب برکت ہو، مگر برکت کا جو نسخۂ اکسیر نبیصلی اللہ علیہ وسلمنے بتلایا ہم اسے یکسر نظر انداز کر دیتے ہیں، وہ نسخہ اکسیر یہ ہے ''سب سے بابرکت نکاح وہ ہے جس میں کم سے کم خرچ میں ہو'' (مسند احمد) اس نسخہ اور تھرما میٹر سے بھی ہم اپنے نکاح کو جانچیں کہ آیا یہ نکاح بابرکت ہے یا نہیں؟

اخیر میں ہم یہ نوشتۂ دیوار بھی پڑھ لیں کہ جب تک ہمارے معاشرے کے شرفاء، امراء، زعماء اور علماء نکاح میں سادگی اور سنتِ رسول کو عملی طور پر اختیار نہیں کریں گے، جہیز کے ان چوپٹ کھلے چور دروازوں کو بند نہیں کریں گے اور شادی منگنی وغیرہ کی فضول ناجائز اور ظالمانہ رسموں پر قدغن نہیں لگائیں گے، یقین جانیے تب تک یہ جہیز اور یہ ظلم یونہی پروان چڑھتا رہے گا، پھلتا اور پھولتا رہے گا، گو کہ لاکھ اس کے خلاف نعرے لگائے جائیں، تحریکیں چلائی جائیں، ریلیاں نکالی جائیں اور انسانی زنجیریں بنائی جائیں۔ سب بے سود بیکار ثابت ہوں گی!!!

نقش ہیں سب ناتمام خونِ جگر کے بغیر
نغمہ ہے سودائے خام خونِ جگر کے بغیر

گذشتہ سے پیوستہ

دور اندیش اور صاحبِ نظر کون تھا؟

مدارس اسلامیہ کے موجودہ نصاب و نظام تعلیم پر ایک تحریر

مولانا محمد معاویہ سعدی استاذ شعبۂ تخصص فی الحدیث مظاہر علوم سہارنپور

گذشتہ مجلس میں مدارسِ اسلامیہ کے نصاب ونظام پر ”عصر حاضر“، اور ”موجودہ حالات“ کے حوالے سے کیے جانے والے مختلف قسم کے اعتراضات کے چند نمونے پیش کیے گئے تھے، اور یہ عرض کیا گیا تھا کہ یہ سب اشکالات: مدارسِ اسلامیہ کے بنیادی مقاصد نہ سمجھنے، اور اُن کا استحضار نہ رکھنے سے پیش آتے ہیں۔

ہمارے اِن مدارس کا بنیادی مقصد ہے: دین کی اُس کی اصل شکل میں، معہود ومتوارث طریقے پر حفاظت، اور قرآن، حدیث اور فقہ کی تعلیم کے ذریعے: مکمل دین کی تبلیغ واشاعت۔

اِس سلسلہ میں سب سے پہلے ”فکر دیوبند“ کے عظیم شارح اور ترجمان حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے چند ارشادات پیش خدمت ہیں:

۱- ”حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمہ اللہ نے جلسۂ دستار بندی میں فرمایا تھا کہ اکثر لوگوں کو اس مدرسے کی حالت دیکھ کر خیال ہوگا کہ یہاں علوم معاش کا کچھ انتظام نہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مدرسہ اس لیے ہے ہی نہیں، نہ ہم نے دعویٰ کیا ہے کہ تمام علوم کی تعلیم ہوگی، یہ تو صرف ان کے لیے ہے جن کو فکر آخرت نے دیوانہ بنایا ہے“۔ (حسن العزیز ج دوم ص ۱۳۹)

۲- ”مسلمانوں کو اِس وقت، بلکہ ہر وقت جس چیز کی سب سے زیادہ ضرورت ہے وہ اُن کے دین کی حفاظت ہے، اور دنیا کی صرف اُتنے حصے کی جس کو دین کی حفاظت میں دخل ہو“ (مستفاد از: امداد الفتاوی ۶/ ۲۳۰، ماخوذ از ”بدلتے حالات میں مدارس کی ترجیحات“)

۳- ندوہ کے ابتدائی زمانۂ قیام میں حضرتؒ کی اہل ندوہ سے، اٹھارہ صفحات پر مشتمل

ایک طویل مکاتبت ہوئی تھی، جو ''اِمداد الفتاوی'' حوالۂ بالا میں درج ہے، اہل علم کے لیے قابل ملاحظہ ہے، اُس میں یہ بات خاص طور پر قابلِ توجہ ہے کہ اکابر ندوہ نے اپنے جو منشور ومقاصد حضرت تھانویؒ کی خدمت میں برائے ملاحظہ اِرسال فرمائے تھے، اُن پر حضرت نے بار بار یہ سوال قائم فرمایا ہے کہ ''اِس چیز کو حفاظتِ دین میں کیا اور کتنا دخل ہے؟''۔

واضح رہے کہ دین ودنیا کے دو مختلف راستوں، اور ایسے ہی اہل حق اور اہل باطل کے دو مختلف طبقات کے درمیان فاصلہ باقی رکھنا: ''حفاظتِ دین اور حفاظتِ حق'' کے لیے بنیادی حیثیت رکھتا تھا۔ اور یہی وہ بنیادی نقطہ اور ما بہ الفرق ہے جو ''فکر دیو بند'' کو دیگر تمام علمی وفکری سلسلوں سے ممتاز کرتا ہے۔

۴ — حضرت کو لکھا گیا تھا کہ ''قدیم تعلیم اول تو چراغ سحری ہے، دوسرے وہ اِس قدر تنگ دائرے میں محدود ہوگئی ہے کہ اس سے اس قسم کے اغراض (جن کی طرف اصل خط میں صرف اشارہ کیا گیا تھا) حاصل ہونے کی توقع نہیں ہوسکتی''۔

اِس پر حضرتؒ نے فرمایا: ''...... کاش اگر وہ اغراض متعین ہوتیں تو ہر مسلمان اس میں غور کرسکتا ہے کہ آیا تعلیم قدیم سے یہ غرض حاصل نہیں ہوسکتی، یا کوئی خفیف سی کمی ہے جس کا بہت تھوڑی ترمیم یا اضافہ سے تدارک ہوسکتا ہے، وہی اِبہام یہاں بھی ہے۔

دوسرا نقص دکھلایا ہے کہ اس میں علمی ''بلند نظری'' نہیں پیدا ہوتی، بلند نظری کی مطلق شرح نہیں کی، تعلیم اسلامی سے جو اصلی مقصود ہے: عقائد واعمال واخلاق کا درست ہونا، جس کا حاصل :طلبِ رضائے حق ہے، آیا بلند نظری اس کے علاوہ کوئی اور چیز ہے، اگر نہیں ہے تو اس کے لیے تعلیم قدیم میں کیا کوتاہی ہے؟ کیا جن افراد میں یہ اوصافِ حمیدہ پیدا ہوجاتے ہیں ان کو کوئی جزو تعلیم جدید کا بھی حاصل کرنا پڑتا ہے؟ یا بہت سے لوگ جو آج بزعم خود اپنے بلند نظر ہونے کا دعوی رکھتے ہیں اور اس کے لیے طریق جدیدہ ایجاد کرتے ہیں، انھوں نے اِس تعلیم قدیم کے سوا کچھ اور حاصل کیا ہے؟ یا اپنی حالت پر اِس مضمون کو صادق کررہے ہیں:

کس نیاموخت علمِ تیر از من		کہ مرا عاقبت نشانہ نہ کرد

اور اگر بلند نظری کوئی اور چیز ہے تو نعوذ باللہ کیا حق تعالی (اور آپ کی معرفت) سے بھی زیادہ کوئی چیز بلند ہوسکتی ہے؟

آگے ایک لفظ ہے ''قوم کی بقاء''۔ یہ بھی محتاجِ شرح ہے، آیا مذہب کی بقاء کے علاوہ اس کا کچھ اور مفہوم ہے، یا اسی کی دوسری تعبیر ہے........الخ

۵- فرماتے ہیں: ''یہ انتظام ضروری ہے کہ ایک معتد بہ جماعت ایسی بھی ہو جو ہر طرح علوم دینیہ میں کامل ومحقق ہو، اور عمر کا بڑا حصہ ان علوم کی تحصیل میں، اور ساری عمر اُن کی خدمت واشاعت میں صرف کرے، جس کے سوا اُن کا کوئی کام نہ ہو، قرآن مجید کی اس آیت میں اسی کا ذکر ہے: (وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ) (آل عمران :۱۰۴)، اور حدیثوں میں اصحابِ صفہ کی یہی مثال ہے۔ انتہی

چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ حدیث شریف میں اپنے خصوصی مقام وامتیاز کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: میرے مہاجر بھائی تو تجارت میں مشغول رہتے تھے، اور انصاری بھائی کاشت کاری اور کھیتی باڑی میں، جب کہ میں لوگوں کی طرف سے ملنے والے صدقات وعطیات پر قناعت کرکے، صفہ کے چبوترے پر پڑا رہتا تھا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے نکلنے والے ہر ہر لفظ کو محفوظ کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ (بخاری :۱۱۸ و ۲۰۴۷، ومسلم :۲۴۹۲)

۶- ''اس میں ذرا شبہ نہیں کہ اس وقت علوم دینیہ کے مدارس کا وجود مسلمانوں کے لیے ایسی بڑی نعمت ہے کہ اس سے فوق (بڑھ کر) متصور نہیں، دنیا میں اگر اسلام کے بقا کی کوئی صورت ہے تو یہ مدارس ہیں، کیوں کہ اسلام نام ہے خاص عقائد واعمال کا، جس میں دیانات، معاملات، معاشرت اور اخلاق سب داخل ہیں، اور ظاہر ہے کہ عمل موقوف ہے علم پر، اور علوم دینیہ کا بقا، ہر چند کہ فی نفسہ مدارس پر موقوف نہیں، مگر حالات ووقت کے اعتبار سے ضرور مدارس پر موقوف ہے'' (حقوق العلم ص ۸۴)۔

۷– ''میں ترقی کر کے کہتا ہوں کہ دقتِ نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ علماء: دنیا بھی سکھاتے ہیں، وجہ یہ ہے کہ تاریخ اِس اَمر کی شہادت دے رہی کہ مسلمانوں کی دنیا، دین کے ساتھ درست ہوتی ہے، یعنی جب اُن کے دین میں ترقی ہوتی ہے تو دنیا میں بھی ترقی ہوتی ہے، اور جب دین میں کوتاہی ہوتی ہے تو دنیا بھی خراب ہوجاتی ہے، تو جب ہم دین سکھلاتے ہیں، معاملات، معاشرت، اخلاق کو درست کرتے ہیں تو گویا ہم دنیا کی ترقی کی تدابیر بھی بتلاتے ہیں''۔(طریق النجاۃ۔عبدیت ج ۱۲،ص ۲۶)

۸– ''جیسے جیسے آزادی اور اِلحاد و بے دینی پھیلتی جارہی ہے اسی طرح میرے خیال میں مدارس دینیہ کی اہمیت بڑھتی جارہی ہے''(حکیم الامت ص ۱۰۰)۔

۹– ''مدارس اسلامیہ میں بے کار پڑے رہنا بھی انگریزی میں مشغول ہونے سے لاکھوں کروڑوں درجے بہتر ہے، اس لیے گولیاقت اور کمال حاصل نہ ہو، لیکن کم از کم عقائد تو خراب نہ ہوں گے، اور مسجد کی جاروب کشی اُس وکالت اور بیرسٹری سے بہتر ہے جس سے ایمان متزلزل ہو، اور خدا ورسول اور بزرگان دین کی شان میں بے ادبی ہو، جو انگریزی کا اس زمانہ میں اکثری، بلکہ لازمی نتیجہ ہے، ہاں جس کو دین کے جانے کا غم نہیں وہ جو چاہے کرے''۔(اقتباسات مذکورہ بحوالہ ''العلم والعلماء'' مرتبہ: مفتی محمد زید مظاہری)

۱۰– کتاب ''حقوق العلم'' میں ص ۱۶، آیت کریمہ: (للفقراء الذين أحصروا في سبيل الله لا يستطيعون ضرباً في الأرض) سے استنباط کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''.....اور اِس آیت سے علاوہ فائدۂ مذکورہ کے اور بھی چند فوائد معلوم ہوئے:

(الف) ایک یہ کہ ایسی جماعت کو ذرائعِ تحصیلِ معاش میں بالکل مشغول نہ ہونا چاہیے (لا يستطيعون ضرباً في الأرض) اس پر دلالت کررہا ہے۔اور اس سے یہ شبہ بھی جاتا رہا جو عوام الناس، علماء پر دنیوی معاش میں اپاہج ہونے کا الزام دیتے ہیں، اور ثابت ہوگیا کہ بایں معنی اپاہج ہونا ضروری ہے، اور راز اِس میں یہ ہے کہ ایک شخص سے دو کام ہوا نہیں کرتے، خصوصاً جب کہ ایک کام ایسا ہو کہ ہر وقت اس میں مشغول ہونے کی ضرورت

ہو: بالید، یا باللسان، یا بالقلب۔ اور خدمتِ دین ایسا ہی کام ہے، اور تدریسِ علومِ دینیہ یہ ذرائعِ معاش میں داخل نہیں، بلکہ وہ تنخواہ بوجہ خدمتِ دین میں محبوس ہونے کے ہے، مگر تعیین کے ساتھ ہے، اور تعیین مصلحتِ قطعِ نزاع کے لیے ہے۔

(ب) ایک یہ کہ ایسے لوگوں کو کسی دنیادار کے سامنے اپنی حاجت پیش نہ کرنا چاہیے، بلکہ اغنیاء کی طرح مستغنی رہیں۔

(ج) ایک یہ کہ اموال کا سوال کسی سے نہ کرے، **(لا یسألون الناس إلحافاً)** اس پر دال ہے۔ چندہ کی ترغیب اس میں داخل نہیں، وہ دعوت الی الخیر ہے۔

(د) ایک یہ کہ گو وہ سوال نہ کریں، مگر دوسروں کو چاہیے کہ اس کا تجسس رکھیں، اور فراست و قرائن سے پہچان کر ان کی خدمت کریں۔

(ھ) ایک یہ کہ ان کی خدمت کر کے احسان نہ رکھیں، کیوں کہ وہ اپنے نفع کے لیے ہے"۔

۱۱- "میں علماء کے میدان میں آنے کا مِن کل وجہٍ مخالف نہیں، بلکہ میرا مطلب یہ ہے کہ سب کو میدان میں نکلنا جائز نہیں، ہاں جب علماء علم دین کو اچھی طرح حاصل کر لیں تو جن کو میدان میں نکلنے کا شوق ہو وہ آئیں۔

مگر کچھ لوگ حجرہ نشین بھی ہونے چاہئیں، جن کا کام سوائے قال اللہ و قال الرسول اور سوائے کتابیں پڑھنے پڑھانے کے کچھ نہ ہو، کیوں کہ تجربہ یہ ہے کہ کتابی استعداد اور فتوی دینے کی قابلیت بدون اس کے کامل نہیں ہوتی، جو علماء میدان میں آئے ہوتے ہیں اُن میں اکثر تو وہ ہیں جن کی کتابی استعداد بالکل نہیں، اور اگر کسی کو یہ قابلیت حاصل ہو تو یہ حجرہ نشینی ہی کی برکت ہے، کہ وہ ایک مدت تک حجرہ نشین ہو کر کتابوں کی ورق گردانی کرتا رہا ہے۔

مگر آپ اس حجرے ہی کو بند کرنا چاہتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ چند روز میں قرآن وحدیث اور فقہ کو سمجھنے والے اور اُن کو صحیح طور پر حل کرنے والے دنیا سے ناپید ہو جائیں گے، اگر اس کی ضرورت کو آپ محسوس کرتے ہیں اور یقیناً ہر شخص اس کی ضرورت کو تسلیم کرے گا، تو ضروری ہے کہ سب علماء میدان میں نہ آئیں، کچھ میدان میں آئیں، اور کچھ مناظرہ کریں، کچھ تبلیغ کریں......

۱۲— ”..... اور ایک جماعت ایسی ہو کہ جو ان سب کاموں سے الگ ہو کر قرآن وحدیث وفقہ اور ضروریات (دین) کی تعلیم دیں، ان کو سوائے تعلیم وتعلم کے کچھ نہ کرنا چاہیے، ورنہ قابل علماء ہرگز نہ پیدا ہوں گے، تقسیمِ خدمات بہت ضروری ہے، اور تمام عقلاء اور متمدن اقوام اس کی ضرورت پر متفق ہیں، پھر حیرت ہے کہ ہمارے بھائی اس کو نظر انداز کر کے، سب کو ایک کام میں کیوں لگانا چاہتے ہیں۔

بس علماء کا جو کام ہے جس کا انھوں نے بیڑا اُٹھایا ہے وہ اس کو بحمداللہ بخوبی کر رہے ہیں، آپ کو ان کے کام میں دخل دینے کی ضرورت نہیں“۔

۱۳— ”فرمایا: اب تو یہ حالت ہے، اور اسی کی فکر ہے کہ میدان میں آنا چاہیے، میدان میں آنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حجرہ بھی ہاتھ سے جاتا رہتا ہے، اور میدان بھی ہاتھ نہیں آتا، پھر ان لوگوں کے نزدیک میدان میں آنے کی نہ کچھ شرائط ہیں نہ حدود ہیں، یہاں تک نوبت آ گئی ہے کہ زبانوں پر یہ آتا ہے کہ مسائل کا وقت نہیں، کام کا وقت ہے، کام کرنا چاہیے۔

سخت افسوس ہے کہ بعضوں کی تو یہاں تک نوبت آ گئی ہے کہ علمِ دین میں مشغول ہونے کو فضول اور بے کار سمجھتے ہیں، نا معلوم یہ سبق کہاں سے حاصل کیا ہے؟ یورپ میں بھی تو یہ طریق نہیں، .... ہوش سے کام کرنے کی ضرورت ہے، جوش سے اول تو کام نہیں ہوتا، اور اگر ہوتا بھی ہے تو اس کی عمر بہت تھوڑی ہوتی ہے“۔

۱۴— ”اگر حدود سے گذر کر ترقی کی جائے تو وہ ایسی ہوگی جیسے فرعون نے ترقی کی تھی، تو ایسی ترقی سے ایک مسلمان ایمان والے کو کیا فائدہ؟ ایسی ترقی مسلمانوں کی ترقی کے قابل کب ہوگی؟ یقیناً کفار کی ترقی کہلائے گی، مسلمانوں کے لیے ایسی ترقی میں کون سی خوبی ہوگی؟ ان کی خوبی تو ایسی ترقی میں ہے کہ حدود کا تحفظ ہو، اور پھر ترقی ہو، یہ خوبی کی بات ہے۔ (مذکورہ اقتباسات از حواشی ”حقوق العلم“ جدید طباعت) (باقی آئندہ اِن شاءاللہ)

مبارک حاجیو! تم کو

مفتی شعیب احمد بستوی معین مفتی دار الافتاء مظاہر علوم سہارنپور

مبارک حاجیو! اللہ اور اس کے رسول کی مہمانی کے یہ دن آپ کو مبارک ہوں، اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے: **من حج هذا البيت فلم يرفث ولم يفسق رجع كيوم ولدته امه** (جو شخص اس طرح حج کرے کہ نہ کوئی بے حیائی کا کام کرے اور نہ کسی قسم کی کوئی برائی کرے تو وہ حج سے ایسا پاک وصاف ہو کر لوٹے گا جیسا کہ آج ہی وہ اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو)۔

اسی طرح ایک دوسری حدیث ہے: **الحج المبرور ليس له جزاء الا الجنة**، کہ حج مبرور کی جزا جنت کے سوا کچھ نہیں۔

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو دو قیمتی سرٹیفکٹ عطا فرمائے ہیں ایک گناہ سے پاک وصاف ہونے کا، دوسرا دخول جنت کا۔

اب آپ اس حالت میں نہیں رہے جس حالت میں گئے تھے، گئے تو تھے گناہوں کا پشتارہ لے کر اور لوٹ رہے ہیں خیر وفلاح کی گٹھری لے کر۔ گئے تھے ذرہ بن کر واپس ہو رہے ہیں روشن ستارہ بن کر، روانہ ہوئے تھے پروانہ بن کر واپسی ہو رہی ہے شمع بن کر۔

اب تو تقویٰ وطہارت، صلاح وفلاح، عصمت وعفت کے سانچے میں ڈھلی ڈھلائی زندگی لے کر واپس آرہے ہیں، اللہ کی ضمانت اور نگرانی میں گئے بھی تھے اور لوٹ بھی رہے ہیں۔

ایک حدیث پاک میں ہے کہ **الحاج في ضمان الله مقبلا و مدبرا**، حج کو جانے والا اللہ کی نگرانی اور ذمہ داری میں ہوتا ہے، جاتے ہوئے بھی اور لوٹتے ہوئے بھی، اس سے بڑی ضمانت اور کیا ہوگی جس کی خبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم دے رہے ہیں۔

اور جن لوگوں کو وہاں کی پاک مٹی نے قبول کرلیا ان پر افسوس مت کرو کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا **خير ما يموت عليه العبد ان يكون قافلا من حج او مفطرا من رمضان** ، بندے کی بہترین موت وہ ہے جو حج سے واپسی کی حالت میں ہو یا روزہ افطار کرنے کی حالت میں ہو۔

ان احادیث سے یہ بات واضح ہے کہ حجاج کرام کی اس وقت کی زندگی بہترین زندگی ہے، ایسی حیات اور موت جو اللہ کی ضمانت اور ذمہ داری میں ہو کسے نصیب ہے، یہ تو صرف خدا کے فضل سے ملتی ہے، دنیاوی جاہ جلال، دولت وثروت، حکومت وسلطنت سے اس کو حاصل نہیں کیا جا سکتا ، کتنے اغنیاء ورؤسا، کتنے کج کلاہ سلاطین وامراء جن کے پاس دولت کی فراوانی ہے، انھیں اس محترم ومعظم گھر کا دیدار تک نصیب نہیں ، حج کی ادائیگی تو بہت دور کی بات ہے، اور کتنے فاقہ مست ، پراگندہ حال، مفلس وتنگدست جنہیں معاشرہ میں کوئی عزت ومقام حاصل نہیں لیکن رب کریم انہیں بیت اللہ الحرام کی زیارت وطواف کی سعادت سے سرفراز فرماتے ہیں۔

اے قابل احترام حاجیو! اس مبارک سفر سے واپسی پر ہر ایک چیز آپ کے لیے سراپا استقبال ہے، بیوی بچے بھی، اعزاء واقربا بھی اور شہر کے گلی کوچے اور درودیوار بھی، اسلئے کہ ابھی تک آپ اللہ کی حفاظت وضمانت میں ہیں، آب زمزم سے دھلے دھلائے ، تقویٰ وطہارت کی سراپا تصویر ہیں، آپ سے ہر ایک کو نیک آرزوئیں وابستہ ہیں، اس لیے کہ خدا کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **اذا لقيت الحاج فسلم عليه وصافحه ومره ان يستغفر لک قبل ان يدخل بيته فانه مغفور له**، حج سے واپسی پر جب تم کسی حاجی سے ملاقات کرو تو اس سے سلام ومصافحہ کرو اور قبل اس کے کہ وہ اپنے گھر جائے اس سے کہو کہ وہ تمہارے لیے دعائے مغفرت کرے (امید ہے کہ اس کی دعا اللہ تعالیٰ تمہارے حق میں قبول کریں گے) کیونکہ وہ بخشا بخشایا واپس آیا ہے۔

منقول ہے کہ حضرت عمر فاروق لوگوں کو ترغیب دیا کرتے تھے کہ جب کوئی حاجی حج سے یا غازی غزوہ سے واپس آئے تو دنیاداری میں لگنے سے قبل تم اس سے اپنے لیے دعا کرالیا کرو۔

چنانچہ لکھا ہے کہ امام احمد بن حنبل کا دستور تھا کہ جب حجاج کی واپسی کا وقت آتا تو وہ

اپنے لڑکوں کو لے کر بغداد کے باہر جا کر حاجیوں کا استقبال کرتے اور ان سے دعا کی درخواست کرتے۔

اس سعادت سے مالامال ہونے والے لوگو! تم اپنی خوش قسمتی پر جتنا ناز کرو کم ہے لیکن اب آپ کو اپنے حج کی، خدا اور رسول کی مہمانی کے دنوں کی، پاک وصاف زندگی کی لاج رکھنی ہے اگر آپ کے دل میں اللہ اور اس کے رسول کی سچی محبت جاگ اٹھی ہے تو اس محبت کے تقاضے کو پورا کرنا اور اس کی عزت کو باقی رکھنا ہے اس محبت کا تقاضا ہے کہ اب آپ کی زندگی سراپا اخلاص وایثار محبت وخلوص صدق وصفا، امانت ودیانت کا پیکر بن جائے آپ کہیں بھی ہوں یہ فاضلانہ اوصاف آپ سے جدا نہ ہونے چاہئیں۔

جس مقام سے سفر میں جاتے وقت آپ نے اہل وعیال کو، اعزاء اقرباء کو، دوستوں محسنوں کو خدا حافظ کہا تھا اور یہاں رہ جانے والوں نے اپنی پرنم آنکھوں اور سسکیوں کے ساتھ آپ کو الوداع کہا تھا اب واپسی پر اسی مقام پر آپ انہیں لوگوں سے ملنے والے ہیں لیکن نقشہ بدلا ہوا ہے، کل الوداع کہنے والوں کی آنکھیں پرنم اور چہرے مرجھائے ہوئے تھے، آج ان کی آنکھوں میں عجیب چمک اور چہروں پر حسین مسکراہٹ ہے، استقبال کرنے والوں میں سبھی عزیز ہیں، شریک حیات بھی ہے، معصوم اور لاڈلا بچہ بھی ہے، لیکن ابھی رکئے ان سے گلے ملنے سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد پڑھئے اور اپنے نفس کا احتساب کیجئے:

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یاتی علی الناس زمان یحج اغنیاء الناس للنزاهة و اوساطهم للتجارة وقراءهم للرياء والسمعة وفقراءهم للمسئلة۔ لوگوں پر ایک زمانہ وہ بھی آنے والا ہے کہ مالدار لوگ سیر وتفریح کی غرض سے، متوسط طبقے کے لوگ تجارت کی غرض سے، علماء دکھاوے اور شہرت کے واسطے اور فقراء بھیک مانگنے کی خاطر حج کریں گے۔

اسی طرح حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ في آخر الزمان يكثر الحاج بالبيت يهون عليهم السفر ويبسط عليهم الرزق ويرجعون محرومين مسلوبين۔ آخر زمانہ میں حج کرنے والوں کی کثرت ہوجائے گی، سفر کرنا ان کے لیے آسان ہوجائے گا، روزی خوب اور بافراط ملے گی، مگر وہ محروم اور چھنے ہوئے واپس لوٹیں گے (یعنی جیسے نیکیوں سے خالی گئے تھے ویسے ہی تہی دست لوٹیں گے)۔

اس لیے اس مقام پر لوگوں سے ملنے سے پہلے اپنے نفس کا احتساب اور جائزہ لیں کہ کس غرض کے لیے آپ نے حج کیا، یقین جانئے کہ اگر آپ کی غرض صرف حج تھی تو آپ نے بہت کچھ پایا اور اگر کوئی اور غرض شامل تھی تو آپ نے بہت کچھ کھویا کہ اب اس کی تلافی بظاہر دشوار ہے۔

اور لوگوں کے مشاہدات سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثروں نے صرف کھویا ہی کھویا ہے، پایا بہت کم، کیونکہ بہت سے لوگ یہود ونصاریٰ ومشرکین جیسی صورت یہاں سے لے کر گئے تھے ویسی ہی لے کر واپس آرہے ہیں، حج کی قربانی کے ساتھ داڑھی جیسی عظیم سنت کو بھی اجتماعی طور پر پامال کردیا، کیا لبیک اللہم لبیک کی صدا اسی لیے لگائی تھی، چند لمحوں میں سارے وعدے بھول گئے۔

حج کی اصل روح اخلاص و بے نفسی ہے، حج کے تمام افعال اپنی فروتنی اور خالق کائنات کی کبریائی کے مظہر ہیں، لیکن افسوس اس کا ہے کہ آج ہماری زندگی کا نقشہ ہی الٹا ہوگیا ہے، عبادت میں بھی بغیر دکھاوا و شہرت اور رسم و رواج کے مزہ نہیں آتا، حجاج کی روانگی وواپسی پر وطن سے لے کر ہوائی اڈے تک عورتوں اور مردوں کا جو بے ہنگم اجتماع ہوتا ہے، جانے والوں کو پھولوں اور نوٹوں کا جو ہار پہنایا جاتا ہے، تصویریں اور ویڈیو کیسٹیں بنتی ہیں، دعوتوں پر دعوتیں ہوتی ہیں بند لفافوں میں تحائف پیش کئے جاتے ہیں، ان کے علاوہ اور بہت سی جو رسومات انجام دیجاتی ہیں، اس تماشے اور دکھاوے کی شریعت میں کوئی

گنجائش نہیں، ان ہی چیزوں نے حج کے مقدس عمل کی صورت اور شبیہ بگاڑ کر رکھ دی ہے، حج کے مقدس ولیمہ کے نام پر حاجی وطن لوٹ کر لوگوں کی جو دعوتیں کرتے ہیں اس کی شرعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔

یہ فخر وخود نمائی کا مقام نہیں یہ تو شکر کا مقام ہے، آپ نے ایک فریضہ ادا کیا ہے، اس پر فخر کیسا؟ ارے خدا کا شکر ادا کرو کہ اس نے ادائیگی کی توفیق عطا فرمائی، آپ نے مقامات مقدسہ میں جو عہد و پیمان کیا ہے اس کی روشنی میں آئندہ زندگی کی راہ متعین کریں، اپنے حج کی لاج رکھتے ہوئے بقیہ زندگی کو ذمہ داری اور بہتری سے گذارنے کی کوشش کریں۔

آپ نے تین دن متواتر رمئ جمرات (شیطان کو کنکریاں مارنا) کی ہے اگر آپ اسی وقت یہ نیت اور پختہ عہد کر لیتے کہ اے اللہ اس لعین پر ہمیشہ کے لیے پتھر مارتا ہوں اسے اپنی زندگی میں اب کبھی نہ گھسنے دوں گا، منی میں حج کی قربانی کے ساتھ اپنی تمام خواہشات کی قربانی کر دیتے تو کیا اچھا ہوتا اور کہتے اے اللہ اس قربانی کے ساتھ میں اپنی تمام خواہشات کی قربانی لے کر حاضر ہوا ہوں، آئندہ میری کوئی خواہش نہیں ہوگی صرف اور صرف تیری خواہشات ہی کی پیروی کروں گا۔

اگر آپ نے یہ نیت کی ہے تو مبارک، نہیں کی ہے تو اب کرلیں، اور تمام غیر شرعی باتوں سے رک جائیں اگر آپ نے حج کے بعد کی زندگی بھی شریعت کے مطابق گذار دی تو سمجھئے کہ آپ کا حج حج مبرور (مقبول) کہلائے گا۔ کیونکہ علماء نے حج مبرور کی تعریف کی ہے **الحج المبرور الذی لایخالطه شئ من المآثم**۔ جس حج میں کسی طرح کا کوئی گناہ شامل نہ ہو وہ حج مبرور کہلاتا ہے۔ (تہذیب اللغۃ ۱۵ / ۱۳۴)

بہرحال ان معروضات کا مقصد صرف اتنا ہے کہ اس دربار کی حاضری اور اپنے حج کی لاج رکھیں۔

ماہِ محرم الحرام

حقائق اور بے اعتدالیاں

محمد شاکر عمیر معروفی قاسمی مظاہری
استاذ احیاء العلوم مبارک پور، اعظم گڑھ

ماہِ محرم الحرام سنہ ہجری کا پہلا مہینہ ہے، جس سے مسلمانوں کے سالِ نو کا آغاز ہوتا ہے، جس کی بنیاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعۂ ہجرت پر ہے، مگر اس اسلامی سنہ کا تقرر اور آغازِ استعمال ۱۷ھ میں خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت سے ہوا۔

مؤرخین وشارحین لکھتے ہیں کہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ یمن کے گورنر تھے، ان کے پاس حضرت عمر فاروقؓ کے فرمان آتے تھے جن پر تاریخ درج نہ ہوا کرتی تھی، ۱۷ھ میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے توجہ دلانے پر حضرت عمر فاروقؓ نے صحابۂ کرام کو جمع کیا اور ان سے اس سلسلہ میں تبادلۂ خیال کیا، بالآخر یہ بات طے ہوئی کہ اپنے سنہ تاریخ کی بنیاد واقعۂ ہجرت کو بنایا جائے اور اس کی ابتداء ماہِ محرم سے کی جائے۔

(المنتظم لابن الجوزی، الکامل فی التاریخ لابن الاثیر، فتح الباری لابن حجر)

محرم کے فضائل:

ماہِ محرم کو اللہ رب العزت نے بہت سی خصوصیات اور فضائل سے نوازا ہے، یہ ان چار مہینوں میں سے ہے جنہیں حرمت والا قرار دیا گیا ہے، اس مہینہ کا روزہ رمضان کے بعد ہر مہینہ سے افضل وبہتر ہے اور اس ماہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا مہینہ قرار دیا ہے۔ (ترمذی وغیرہ)

اس مہینہ کی دسویں تاریخ (یومِ عاشورہ) کو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنو اسرائیل کو فرعون اور اس کے لشکر سے نجات عطا ہوئی، جس کے شکریہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام

نے اس دن روزہ رکھا اور آپ ہی کی پیروی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس روز روزہ رکھا اور اپنی امت کو بھی اس دن روزہ رکھنے کا حکم فرمایا ہے۔(بخاری وغیرہ)

تنبیہ : فقہائے کرامؒ نے لکھا ہے کہ یہودیوں کی مشابہت سے بچنے کے لئے دسویں محرم کے روزہ کے ساتھ نویں یا گیارہویں محرم کو بھی روزہ رکھ لینا چاہئے، صرف دسویں محرم کا روزہ رکھنا مکروہِ تنزیہی ہے۔(درمختار، فتح القدیر، تحفۃ الفقہاء)

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی نے اپنی مخلوق میں سے کچھ کو منتخب فرمایا، ملائکہ میں سے کچھ کو پیغام رساں بنایا، انسانوں میں سے کچھ کو رسالت سے نوازا، کلاموں میں سے اپنے کلام کو منتخب فرمایا، زمین میں سے مساجد کو چھانٹ لیا، مہینوں میں سے ماہِ رمضان اور اشہرِ حرم کو فضیلت بخشی، راتوں میں سے شبِ قدر کو امتیاز عطا کیا، لہذا اللہ تعالیٰ نے جن امور کو فضیلت دی ان کو بڑا سمجھو، اہلِ فہم وخرد کے نزدیک وہی امور بڑے ہوتے ہیں جن کو اللہ تعالی بڑا بنا دیتے ہیں۔(تفسیر طبری، تفسیر ابن کثیر)

لہٰذا اشہرِ حرم(ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب) کا خاص اہتمام کرنا چاہئے، کیوں کہ نیک اعمال کا ثواب ان مہینوں میں زیادہ ہوجاتا ہے اور گناہوں سے بچنے کا بھی خوب اہتمام کرنا چاہئے کہ ان میں گناہ کا وبال بھی زیادہ ہوجاتا ہے۔(مستفاد از : تفسیر طبری، تفسیر ابن کثیر)

ایک سنگین غلط فہمی کا ازالہ:

یہ بھی خیال رہے کہ اس مہینہ کی دس تاریخ کو ریحانۂ رسول اللہ سیدنا حضرت حسینؓ کی شہادت کا المناک واقعہ پیش آیا، جس سے بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ محرم اور عاشورہ کی یہ اہمیت وفضیلت اور حرمت حضرت حسینؓ کی شہادت سے متعلق ہے، جب کہ یہ بالکل غلط اور بے اصل ہے، کیوں کہ یہ سانحہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے پردہ فرما جانے کے پچاس سال بعد پیش آیا اور دین کی تکمیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی

حیاتِ طیبہ ہی میں کردی گئی تھی، لہٰذا بعد والے واقعات کو ماہِ محرم کی حرمت کے اسباب قرار دینا دین میں اضافہ اور قرآنی آیت: ''اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا'' [المائدۃ:۳] کے سراسر خلاف ہے۔

پھر اسی مہینہ میں خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروقؓ کی شہادت کا عظیم واقعہ پیش آیا تھا، اگر بعد میں ہونے والی ان شہادتوں سے شریعت کے کسی مسئلہ کا تعلق ہوتا تو حضرت عمرؓ کی شہادت تو اس لائق تھی کہ اہلِ اسلام اس کا اعتبار کرتے، اسی طرح حضرت عثمانؓ کی شہادت کچھ کم جگر سوز اور دلدوز نہ تھی جو اٹھارہ (۱۸) ذوالحجہ کو ہوئی، نیز خلیفۂ رابع حضرت علیؓ کی شہادت، سید الشہداء حضرت حمزہؓ کی شہادت، غزوۂ موتہ کے شہدا کا واقعہ، بئر مؤونہ کا واقعہ، غزوۃ الرجیع کا واقعہ، یہ وہ واقعات ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی درد و کرب کا باعث بنے تھے، ان کو کیوں کر بھول جائیں، پھر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا دن اس سے زیادہ مستحق تھا کہ اس دن ماتم کیا جاتا، بلکہ اسلامی تاریخ کا ہر ہر ورق شہداء کے خون سے رنگین ہے، اگر ان پر غم منایا جائے، سینہ کوبی اور گریہ وزاری کی جائے اور مجالسِ عزاء اور محافلِ ماتم قائم کی جائے تو ہر دن صفِ ماتم بچھی ہوگی، ہر رات نیند عنقاء ہوئی ہوگی۔

لہٰذا ماہِ محرم الحرام کی حرمت کو حضرت حسینؓ کے واقعۂ شہادت سے جوڑنا اور عاشورہ کے روز نوحہ و ماتم اور دیگر خرافات کا ارتکاب کرنا بالکل غلط، بے بنیاد اور منشاء شریعت کے خلاف ہے۔

درحقیقت شہادتِ حضرت حسینؓ کی وجہ سے شیطان کو بدعات وخرافات اور ضلالات وجہالات پھیلانے کا موقع ہاتھ لگ گیا، چنانچہ کچھ لوگ یومِ عاشوراء میں نوحہ و ماتم کرتے ہیں، روتے چلاتے ہیں، اور سینہ پیٹتے ہیں، بھوکے پیاسے رہتے ہیں، مرثیے پڑھتے ہیں، اسی پر بس نہیں بلکہ قدسی صفات حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو سب وشتم کا نشانہ بناتے ہیں، ان پر لعن وطعن کرتے ہیں، جو کسی طرح روا نہیں۔

واقعۂ ہجرت میں ایک عظیم درس مخفی ہے:

اسلامی سنہ ہجری عہدِ نبوت کے ایسے واقعہ سے وابستہ ہے جس میں انسان کے لئے یہ سبق پنہاں ہے کہ اگر اعلاء کلمۃ اللہ کے نتیجہ میں تمام اطراف سے مصائب وآلام میں گھر جائے، بستی کے تمام لوگ اس کے دشمن اور درپئے آزار ہوجائیں، قریبی رشتہ دار اور خویش واقارب بھی اس کو ختم کرنے کا عزم کرلیں، اس کے دوست واحباب بھی اسی طرح تکالیف میں مبتلاء کردئے جائیں، شہر کے تمام سربرآوردہ لوگ اس کو قتل کرنے کا منصوبہ بنالیں، اس پر ہر طرح سے عرصۂ حیات تنگ کردیا جائے اور اس کی آواز کو جبراً روکنے کی کوشش کی جائے تو اس وقت وہ مسلمان کیا کرے؟ اس کا حل اسلام نے یہ تجویز نہیں کیا کہ کفر وباطل کے ساتھ مصالحت کرلی جائے، تبلیغِ حق میں مداہنت اور رواداری سے کام لیا جائے اور اپنے عقائد ونظریات میں لچک پیدا کرکے ان میں گھل مل جایا جائے تاکہ مخالفت کا زور ٹوٹ جائے، بلکہ اس کا حل اسلام نے یہ تجویز کیا ہے کہ ایسی بستی اور شہر پر حجت تمام کرکے وہاں سے ہجرت اختیار کرلی جائے۔

چنانچہ اسی واقعۂ ہجرتِ نبوی پر سنہ ہجری کی بنیاد رکھی گئی ہے، جو نہ کسی انسانی برتری اور تفوق کو یاد دلاتا ہے اور نہ شوکت وعظمت کے کسی واقعے کو، بلکہ یہ واقعۂ ہجرت مظلومی اور بے کسی کی ایک ایسی یادگار ہے کہ جو ثبات قدمی، صبر واستقامت اور راضی برضائے الٰہی ہونے کا ایک زبردست نمونہ ومثال اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔

یہ واقعۂ ہجرت بتلاتا ہے کہ ایک مظلوم و بے کس انسان کس طرح اپنے مشن میں کامیاب ہوسکتا ہے اور مصائب وآلام سے نکل کر کس طرح کامرانی وشادمانی کا زریں تاج اپنے سر پر رکھ سکتا ہے اور پستی وگمنامی سے نکل کر کس طرح بامِ عروج پر پہنچ سکتا ہے۔

ماہ محرم کی چند بے اعتدالیاں:

ذیل کی عبارات میں فقہ وفتاویٰ کی روشنی میں چند بے اعتدالیوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے

تا کہ ان سے بچا جائے :

۱ــ ماہِ محرم کو غم کا مہینہ سمجھنا شیعوں کی رائج کردہ بدعات میں سے ہے، اسلام میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔(مستفاد از : کتاب النوازل ۱/ ۴۹۳۔ ۴۹۴)

۲ــ عشرۂ محرم میں سوگ منانا، تعزیہ وغیرہ نکالنا شرعاً جائز نہیں ہے، بلکہ روافض کا شعار ہے، جس کا ترک لازم ہے۔(حوالہ بالا)

۳ــ تعزیہ بنانا اور تعزیہ کے ساتھ شریک ہونا اور بنظرِ تعظیم اس کو دیکھنا شعارِ روافض سے ہے اور تشبہ بالروافض ہے اور جو شخص شعارِ روافض بجالاوے وہ بحکم ظاہر شرع روافض میں شمار ہے۔(مستفاد از : فتاویٰ مظاہر علوم ۱/ ۳۳۵)

۴ــ محرم کے مہینہ میں ہر سال سوگ منانا، زینت ترک کرنا اور شادی بیاہ کو منحوس سمجھنا سراسر جہالت اور بے اصل ہے اور روافض کی رائج کردہ خرافات میں ہے، اس لئے ان سب جاہلانہ رسومات کو ترک کرنا لازم ہے۔(مستفاد از : احسن الفتاویٰ ۱/ ۳۸۹)

۵ــ تعزیہ داری میں شرکت کرنا اور چندہ دینا اور ملیدہ بنا کر فاتحہ کرنا اور اس کو عوام میں تقسیم کرنا سب امور بدعت اور ناجائز ہیں، ان کی شریعتِ اسلامی میں کوئی اصل نہیں ہے۔(مستفاد از : کتاب النوازل ۱/ ۵۰۱)

۶ــ محرم میں کھچڑے کی رسم اور اس کا التزام ناجائز ہے، خوارج اور نواصب حضرت حسینؓ کی شہادت کی خوشی میں مختلف اناج ملا کر پکاتے تھے، اس لئے معلوم ہوا کہ کھچڑا پکانا اہلِ بیت سے دشمنی رکھنے والوں کی رسم ہے۔(کتاب النوازل ۱/ ۵۰۲)

۷ــ شیعوں کی طرح واقعہ کربلا کو مبالغے اور رنگ آمیزی کے ساتھ بیان کرنا بھی درست نہیں ہے۔

۸ــ حضرت حسینؓ اور یزید کی بحث کے ضمن میں جلیل القدر صحابۂ کرامؓ (حضرت معاویہؓ اور حضرت مغیرہ بن شعبہؓ وغیرہ) کو ہدف طعن وملامت بنانا نہایت سنگین جرم اور گناہ کا عمل ہے۔

۹—تعزیہ کو قابلِ تعظیم سمجھنا، ان سے منتیں مانگنا، حلیم پکانا، پانی کی سبیلیں لگانا، اپنے بچوں کو ہرے رنگ کے کپڑے پہنا کر انہیں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا فقیر بنانا یہ سب امور بدعت ہیں، ان سے بچنا لازم ہے۔

۱۰—تعزیوں اور ماتم کے جلوسوں میں ذوق وشوق سے شرکت کرنا اور کھیل کود سے ان محفلوں کی رونق میں اضافہ کرنا بھی شرعی جرم ہے، اس سے پرہیز ضروری ہے۔

آخری بات:

ماہِ محرم الحرام سے مسلمانوں میں زندگی کی ایک نئی لہر دوڑنی چاہیئے، عمل کا ایک نیا جذبہ اور ولولہ پیدا ہونا چاہیئے اور شعور وتوانائی کا ایک نیا احساس اجاگر ہونا چاہیئے اور اس ماہ کی خصوصاً قدر کرنی چاہیئے۔

اللہ تعالیٰ امت کو کتاب وسنت پر قائم فرمائے اور بدعات وخرافات اور بے بنیاد باتوں سے ہم سب کو دور رکھے، آمین۔

جو مئے حب نبی سے ہو گیا ہو شاد کام

رشحۂ قلم: حضرت مولانا فضل حق عارفؔ خیرآبادی
استاذ مدرسہ عربیہ منبع العلوم خیرآباد، ضلع مئو یوپی

بادۂ توحید کا جو مشغلہ ہے صبح و شام	○	حشر میں امید ہے پائیں گے ہم کوثر کا جام
نقطہ اعلیٰ پہ ہے محشر میں رب ذوالجلال	○	سر بسجدہ عبدِ کامل حضرتِ خیر الانام
خستگی، شوریدگی، آشفتگی، وارفتگی	○	ہیں متاعِ زندگی، رکھا ہے با صد اہتمام
بن گیا فاروق کوئی، کوئی صدیق و امیں	○	ان کے اعجازِ نظر نے دے دیا کیا کیا مقام

نارِ دوزخ چھو سکے عارفؔ اسے ممکن نہیں
جو مئے حب نبی سے ہوگیا ہو شاد کام

رپورٹ

پنجاب کے سات گھروں کے ۴۳/افراد کی توبہ کی تفصیل

مولانا محمد اکرم بستوی استاذ شعبۂ تحفظ ختم نبوت جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

اسلام مخالف تحریکیں ہمیشہ سے اس بات کے لئے کوشاں رہی ہیں کہ اپنے ناپاک وباطل افکار ونظریات کے ذریعہ اسلام اور مسلمانوں کے وجود کو صفحہ ہستی سے مٹادیں اور دنیامیں کوئی بھی اسلام کو ماننے والا باقی نہ رہے، ماضی سے لے کر آج تک بہت ساری تاریخی شہادتیں اس بات پر موجود ہیں۔

اس ناپاک منصوبے کی تکمیل کے لئے وہ نت نئے اندازمیں اسلام کی آہنی دیواریں نقب زنی کی حتی المقدور کوشش کرتی ہیں اوراس کے لئے مختلف ہتھکنڈے اختیار کرتی ہیں، کم پڑھے لکھے، علم اور علماء سے دور رہنے والوں کو پیسوں ملازمتوں اور دیگر ضرورتوں کی تکمیل کا جھانسہ دے کر ان کے ایمان کا سودا کرتی ہیں، ان باطل طاقتوں کا نشانہ اکثر وہ علاقے آسانی سے بن جاتے ہیں جہاں غربت وافلاس نے اپنے ڈیرے جمارکھے ہیں، جہاں علم دین کی روشنی بڑی مدھم ہے۔

ہندوستان میں صوبہ پنجاب ایک ایسا علاقہ ہے جہاں تقسیم ملک کے بعد مسلمانوں کی نسل کشی بڑے پیمانے پر کی گئی، مساجد، مدارس، خانقاہیں اور اسلامی آثار کو ایک مخصوص ذہنیت کی وجہ سے نیست ونابود کردیا گیا، جومسلمان بچے کھچے رہ گئے وہ مالی بحران کا شکار ہوگئے، علم دین کی روشنی سے کوسوں دور ہوگئے، چنانچہ باطل تحریکوں اور تنظیموں کو ان علاقوں میں اپنا کام کرنے کا بڑا امیدان مل گیااور وہاں کی علمی کم مائگی اور مسلمانوں کی مفلوک

الحالی سے وہ خوب فائدہ اٹھارہے ہیں۔

پنجاب و ہریانہ کے بہت سے مسلمان اپنی علم دین سے ناواقفیت کی وجہ سے غیر شعوری طور پر ''ڈیرا سودا سچا'' اور ''قادیانیت'' جیسے فرقوں کا شکار ہوکر مذہب اسلام کی بنیادی تعلیم اور عقیدہ توحید ورسالت سے کوسوں دور ہورہے ہیں۔

ایسے میں ملت اسلامیہ کا درد رکھنے والے تمام حضرات بالخصوص علماء دین اور فضلاء مدارس کو اپنی ذمہ داری محسوس کرنی چاہئے اور امت کو اس طرح کے فتنوں سے بچانے کے لئے ہر ممکن قربانی پیش کرنے کے لئے ہمہ وقت تیار رہنا چاہئے۔

مظاہر علوم کی جانب سے دس پندرہ سال پہلے صوبہ پنجاب وہریانہ کے ارتداد زدہ علاقوں اور دیہاتوں میں مکاتب قرآنیہ کے قیام کا سلسلہ حق تعالی کی توفیق اور اکابر بزرگان جامعہ کی ہدایت پر شروع ہوا تھا، جو الحمدللہ چل رہا ہے، (اور ان کی تعداد اس وقت ۶۵ تک پہنچ گئی ہے) قرآن شریف، کلمہ نماز دعائیں اور دینیات کی تعلیم کے ساتھ ساتھ ان مکاتب کے قیام کا ایک عظیم فائدہ یہ بھی ہوا کہ قیام مکاتب کی برکت سے فتنوں سے عوام کی حفاظت اور اس کی زہرناکی سے بچانے اور سمجھانے کے مواقع الحمدللہ میسر آتے رہتے ہیں۔

چنانچہ پنجاب میں ضلع پٹیالہ کے کامی خورد گاؤں میں مدرسہ کی جانب سے مکتب قائم ہے وہاں کے معلم قاری محمد غالب نے بندہ کو فون پر اطلاع دی کہ ان کے مکتب سے قریب چار کلو میٹر کی دوری پر رامپور نامی ایک گاؤں ہے، جہاں مسلمانوں کے سات گھر ہیں اور وہ سب ''رام رحیم گرمیت سنگھ'' کی جماعت ''ڈیرا سچا سودا'' سے متأثر ہوکر مرتد ہوچکے ہیں، ماہنامہ مظاہر علوم کے مرتب مولانا عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی، قاری اسلم صاحب استاذ مظاہر علوم اور شعبۂ تنظیم وترقی کے نگراں مولانا عابد حسن صاحبان نے مکاتب کی نگرانی کے دورہ سے واپسی پر جو رپورٹ تیار کی اس میں بھی بطور خاص اس بات کا ذکر کیا کہ ضلع پٹیالہ کے رامپور نامی گاؤں میں مسلمانوں کے سات گھر ہیں اور سب رام رحیمی ہوگئے ہیں۔

بندہ نے جامعہ کے امین عام حضرت مولانا سید محمد شاہد صاحب اور ناظم جامعہ حضرت مولانا سید محمد سلمان صاحب کی خدمت میں پوری صورت حال بیان کی، ان دونوں ذمہ داران نے مظاہرعلوم کی سابقہ تاریخی خدمات کے پیش نظر بندہ (محمد اکرم بستوی) کو مامور فرمایا کہ اس علاقہ کا دعوتی سفر ضرور کریں اور وہاں کی صحیح صورت حال کا جائزہ لے کر بغیر کسی مزاحمت کے دعوتی انداز میں لوگوں کو سمجھا کر ان کو اسلام کے دامن عافیت میں دوبارہ لانے کی کوشش کریں۔

ذمہ داران مدرسہ کے حکم اور وہاں کے مقامی لوگوں کے صلاح ومشورہ سے ۲۱ تا ۲۳ ذیقعدہ ۱۴۳۹ھ مطابق ۴ تا ۶/ اگست ۲۰۱۸ء کی تاریخیں سہ روزہ سفر کے لئے متعین ہوئیں، بندہ حسب پروگرام ۴/ اگست بروز بار بعد نماز فجر شعبہ کے ایک طالب علم مولوی محمد وقار جمشید پوری کو لے کر پنجاب کے لئے عازم سفر ہوا، قبل نماز ظہر پنجاب کے کامی خورد نامی گاؤں پہنچا اور بعد نماز ظہر وہاں کے مقامی لوگوں سے ملاقات ہوئی اور حاضری کی غرض وغایت ان کے سامنے رکھی گئی۔

بعد نماز مغرب وعشاء رد قادیانیت کی اہم مجلس:

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ قادیانیت کا فتنہ ملت اسلامیہ کے لئے ناسور ہے، جس کی بنیاد سراسر اسلام دشمنی پر قائم ہے جس کی روک تھام وقت کا اہم تقاضہ ہے، موضع کامی خورد میں وہیں کا باشندہ دلاور خان ابن دنا خان (جس کا تعین قادیانی جماعت ہی کی طرف سے ہوا ہے اور قادیان ہی سے اس کی ماہانہ تنخواہ بھی آتی ہے) قادیانیت کی تبلیغ، عقیدہ ختم نبوت کی تردید اور متنبیٔ قادیان مرزا غلام احمد قادیانی کی جھوٹی نبوت ورسالت کا انتہائی سرگرم پرچارک ہے، جس کی زہرناکی پھیلتی جارہی ہے، اسی مناسبت سے بطور خاص دونمازوں کے بعد بندہ نے عقیدہ ختم نبوت کی اہمیت، قادیانیت کی قباحت اور منشی غلام احمد قادیانی کے گھناؤنے کیریکٹر کو تفصیل سے بیان کیا، سامعین نے توجہ اور وقت کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے بہت ہی غور سے سنا اور قادیانیوں سے معاملات وغیرہ کے تعلق سے

بعض ضروری معلومات بھی حاصل کیں بعد نماز فجر مولوی محمد وقار متعلم شعبہ تحفظ ختم نبوت نے ایمان کی اہمیت اوراعمال سے مزین ہوکر زندگی گزارنے کے موضوع پر بیان کیا۔

موضع رام پور میں

عصر کی نماز پونے چھے بجے ادا کرکے ہم لوگ جامعہ مظاہرعلوم کے شعبہ تحفظ ختم نبوت کی جانب سے شائع شدہ مختلف پمفلٹ اور کچھ کتابیں لے کر وقت مقررہ پر کامی سے ۴/کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع گاؤں رامپور پہونچے، ہمارے ساتھ معلم مکتب قاری محمد غالب اورمقامی لوگوں میں سے روداخان، اقبال خان، صابرخان، رحیم الدین خان اور مولوی محمد وقار متعلم شعبہ تحفظ ختم نبوت تھے۔

گاؤں میں مسجد نہ ہونے کی وجہ سے مغرب کی نماز صدیق خان کے مکان پر باجماعت ادا کی گئی ،ادائیگیٔ نماز کے بعد مبارک مجلس کا آغاز مولوی محمد وقار کی تلاوت کلام پاک سے ہوا، مستورات کے لئے پردہ کے ساتھ نشست کا انتظام کیا گیا تھا،حمد وصلوۃ کے بعد بندہ نے گفتگو کا آغاز کیا، تقریباً ڈیڑھ گھنٹے تک مثبت انداز میں عقیدۂ توحید ورسالت، ایمان کی اہمیت اورایمان پر خاتمہ کے دینی ودنیوی انعامات اورجنت کی لازوال نعمتوں اوربصورت دیگر دنیا وآخرت کی ناکامی ونامرادی کا تذکرہ کیا۔

مقصد اصلی کے حصول کی سعادت

دوران گفتگو موضع رامپور کے سبھی لوگوں کو تجدید ایمان ونکاح کی سعادت حاصل ہوئی، اس حقیقت کو ان کے سامنے مختلف انداز میں متعدد بار واضح کیا گیا کہ ہم مسلمانوں کا کلمہ لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے، اور یہ کلمہ توحید ہم سے کیا مطالبہ کرتا ہے اوراس میں بنیادی طور پر کن کن امور کی تعلیم دی گئی ہے اس پر عمل کرنے والا ہی مسلمان ہوسکتا ہے اوراس سے ذرہ برابر انحراف کرنے والا، غیر اللہ سے مدد طلب کرنے والا اور غیر اللہ کا سجدہ کرنے والا اسلام کے دائرہ سے نکل کر کفر وضلالت کی دلدل میں پھنس جاتا ہے، اس طرح مثبت انداز میں بات کی گئی الحمدللہ ساتوں گھروں کے ۴۳/افراد نے اسلام پر قائم رہنے اور اسی پر جینے مرنے کا پختہ عہد وپیمان زبانی

وتحریری طور پر کیا، جن میں چودہ بالغ مرد، پندرہ عورتیں، گیارہ بچیاں اور تین بچے شامل ہیں، ان سب کے تحریری بیان ان کے نام اور دستخطوں کے ساتھ بطور ثبوت کے محفوظ کر لئے گئے۔

تمام شرکاء نے اس بات کا وعدہ کیا کہ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کے علماء کرام کی رہنمائی میں صحیح عقائد واعمال کے پابند رہیں گے، تمام قارئین سے ان کے دینی استحکام کے لئے دعا کی درخواست ہے۔

آخر میں بندہ نے انھیں بتلایا کہ ایسے علاقوں میں خاص طور پر قادیانیت اور دوسرے فتنہ سے تعلق رکھنے والے لوگ آ کر لوگوں سے میٹھی میٹھی باتیں کر کے اور کبھی حسب موقعہ دوکان، مکان، ملازمت، اور شادی بیاہ کے جھانسے دے کر ایمان جیسی عظیم دولت کے ناپاک سودے کی بھی کوشش کرتے ہیں اس لئے آپ کسی کے بہکاوے میں نہ آئیں اور ایسی صورت میں علماء کرام سے رابطہ کریں تا کہ آپ کے ایمان کا تحفظ اور ان کا بروقت تعاقب کیا جا سکے۔

الحمد للہ اس گاؤں میں من جانب جامعہ مظاہر علوم بروقت ایک جزوی مکتب قائم کر دیا گیا ہے، مظاہر علوم کے مکتب موضع کامی خورد کے معلم حافظ محمد غالب روزانہ بعد نماز عصر وہاں بچوں کے ساتھ ساتھ بڑوں کو بھی کلمہ، نماز اور مسنون دعائیں سکھا رہے ہیں۔

پنجاب وہریانہ کے مسلمان جو کسی بھی ارتدادی مہم کے شکار یا کسی بھی باطل تحریک کے چنگل میں پھنس کر اپنے ایمان واسلام سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں ان میں سے اکثریت ان سادہ لوح، کم علم، بلکہ لاعلم لوگوں کی ہے جو علم وعلماء سے کٹے ہوئے اور دینی ماحول سے ہٹے ہوئے ہیں۔

اس لئے ہم پاسبان علوم نبوت اور محافظین ختم نبوت کی حسب حیثیت ذمہ داری اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ ایسے علاقوں میں علمی پس ماندگی کو دور کر کے ان کے ایمان کا تحفظ فرما کر عنداللہ سرخ رو ہوں، اس لئے کہ باطل کے پھلنے پھولنے اور پروان چڑھنے کے اسباب میں سے ایک اہم سبب جہالت بھی ہے، جس کا علاج علم کی روشنی کے ذریعہ کیا جا سکتا ہے۔

بہت ہی مبارکباد کے مستحق ہیں ہمارے اکابر مظاہر علوم جو ایسے دیہی اور ارتداد زدہ علاقوں میں تقریباً ۶۵ / مکاتب دینیہ کی شمعیں جلا کر حتی المقدور انکے ایمان کا تحفظ فرما رہے ہیں۔

فتاویٰ

دارالافتاء مظاہر علوم سہارنپور

س : عورتیں کمر وغیرہ کے درد کرنے پر غیر مسلم عورتوں سے مالش کرواسکتی ہیں یا نہیں، نیز گھر میں کام کاج کرانے کے لیے غیر مسلم کو رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟

ج : مسلمان عورت غیر مسلم عورت کے سامنے صرف چہرہ کھول سکتی ہے پیٹ کمر وغیرہ اس کے سامنے کھولنا درست نہیں ہے اس لیے اس سے مالش کرانا درست نہیں۔

گھر میں دیگر کام کاج کے لیے اس کو رکھا جا سکتا ہے تاہم بہتر یہ ہے کہ مسلمان کو رکھیں۔

س : ایک شخص چار پانچ سال سے سر درد کی بیماری میں مبتلا ہے یہ شکایت ہمیشہ نہیں رہتی ہے بلکہ آتی جاتی رہتی ہے جب سر درد کی شکایت ہو تو اس وقت نماز پڑھنے سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ کتنی رکعت پڑھی یا کون سی سورت پڑھی یا سورۃ مکمل ہوئی یا نہیں تو ایسے حالت میں اس کی نماز کا کیا حکم ہے؟

ج : اگر غالب گمان غلطی کا نہ ہو تو نماز اس کی صحیح ہے اگر غلطی کا غالب گمان ہے اور نماز کا وقت ختم ہونے سے پہلے مذکورہ عذر ختم ہو جائے تو نماز دوبارہ پڑھ لیں، اگر پورے وقت میں یہی کیفیت رہے تو دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں وہی نماز کافی ہے۔

س: حدیث میں جوانی کی عبادت کی فضیلت مذکور ہے یہ جوانی کی عمر کب شروع ہوتی ہے اور کب تک ختم ہوتی ہے؟

ج : اس کے لیے شرعاً کسی عمر کی تحدید نہیں ہے قویٰ کے اعتبار سے اس میں لوگوں کا حال مختلف ہوتا ہے کسی کا بڑھاپا جلدی شروع ہو جاتا ہے کسی کا دیر میں۔



R.N.I REGD. NO.
62469/95U.M.

URDU MONTHLY MAGZAINE

Mazahir Uloom

SAHARANPUR 247001(U.P.)INDIA
PH:0132-2655542
E-Mail: jamiamazahir@gmail.com



Rs. 15/-

MADRASA MAZAHIR ULOOM

SAHARANPUR 247001(U.P.)INDIA
PH:0132-2655542
E-Mail: jamiamazahir@gmail.com

DESIGNED BY. MUHAMMAD ZUBAIR
AL FAZL COMPUTER SRE +91-9359209995